گلدستۂ مناقب

★ انیس نوحہ دعبل ہند مولانا فرزند حسین ذاخرؔ

★ خطیب اعظم کلیم اہل بیت شمس العلماء علامہ
سید سبط حسن نقوی فاطرؔ جائسی

★ ابو البراعہ سید المتکلمین علامہ سید ظفر
مہدی نقوی گہرؔ جائسی

★ حسان الہند مولانا سید کامل حسین کاملؔ

طینت آدم میں تھی اللہ کیا نشوو نما
ایک مٹھی خاک یوں پھیلی کہ دنیا ہوگئی

کشتیٔ عمر روانہ شب دیجور میں ہے
اتنا پانی مرے رستے ہوئے ناسور میں ہے

کچھ اور میں نے کہا تھا سنا کچھ اور اس نے
خبر نہ تھی کہ زمانہ صدا بدل دے گا

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

غرق عرق ہوں تا گلو حد نہیں انفعال کی
بس مرے پردہ پوش بس میرا حساب ہو چکا

علامہ فاطر طاب ثراہ

نام کتاب	:	گلکدۂ مناقب (مجموعۂ قصائد)
ترتیب	:	حیدر علی نائب مدیر ماہنامہ ''شعاع عمل''، لکھنؤ
تقدیم	:	مصطفی حسین نقوی اسیفؔ جائسی مدیر ''شعاع عمل''
سرورق	:	صغیر الحسن عابدی صاحب
کمپوزنگ	:	سید سفیان احمد ندوی صاحب ((9935025599
پروف ریڈنگ	:	قائم مہدی نقوی تذہیبؔ نگروری صاحب
ماہ وسنہ اشاعت	:	جولائی ۲۰۰۵ء-جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ
تعداد	:	ایک ہزار
مطبع	:	نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ چوک، لکھنؤ۔ ۳
قیمت	:	فاتحہ خوانی برائے ایصال ثواب ارواحِ کامل عباس ووقار حسین نقوی مرحومین
اشاعت منجانب	:	حسینیۂ حضرت غفران مآبؒ، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ۔ ۳ فون نمبر:0522-2252825 موبائل: 9839287214

فہرست

امام علی نقی علیہ السلام

سید ابو عبد اللہ جعفر ثانی

سید طاہر — سید محمد — سید ابو طالب — سید حمزہ — سید ابو یعلی محمد

سید ابو علی — سید علی — علامہ ملّا سید نجم الدین (فاتح جائس) — ملّا سید شرف الدین

سید علم الدین — سید علیم الدین — قاضی سید نصیر الدین جائسی (فاتح اول نصیر آباد)

سید تاج الدین — سید خضر — سید زکریا —
(فاتح دوم نصیر آباد)

سید سلیمان
سید محمد
سید اسحٰق
سید مصطفی
سید مطلب
سید منعم علی
سید یوسف
سید محمد وارث
سید غیرت علی

سید محمد حیات
سید علی مردان
سید امیر حسین
سید صادق حسین
سید وارث حسین
مولانا سید کامل حسین کاملؔ
سید وقار حسین

سید جلال الدین
سید ابراہیم
سید محمد
سید مصطفی
سید طالب
سید ابراہیم
سید عبد الہادی
سید محمد معین
سید دلدار علی غفران مآبؒ

سید محمد رضوان مآبؒ
مولانا سید علی اکبر
مولانا سید علی انور
زہرا بیگم

عرض مرتب

میرے ایک دوست ایک عرصے سے حسّان الہند مولانا سید کامل حسین نقوی کامل نصیرآبادی الجائسی اور ان کے مشاہیر برادران کا مجموعۂ کلام شائع کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ ادھر جولائی ۲۰۰۵ء کی ابتدا میں موصوف نے اصرار سے کام لیا جس کی بنا پر جلدی جلدی رئیس التحریر مولانا مصطفی حسین نقوی اسیف جائسی کے بیش بہا کتبخانے سے استفادہ کیا گیا اور صرف کچھ قصائد کا مجموعہ تیار کر دیا گیا ہے لیکن اسیف جائسی صاحب کے مقدمے میں دعبل ہند حضرت ذاخر اجتہادی، خطیب اعظم علامہ فاطر، ابوالبراعہ علامہ گہر، حسان الہند کامل کے دیگر اصناف سخن کے نمونے بھی موجود ہیں جن سے چاروں بھائیوں کے علم وادب اور فکر ونظر کا بھی کافی حد تک اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

''گلکدۂ مناقب'' جہاں ایک طرف میرے دوست کے خواہشات کے احترام کا ثبوت ہے وہیں شائقین زبان کی تڑپ اور محققین ادب کی بے چینی کے لئے سرمایۂ تسکین بھی ہے اس لئے کہ مستقلاً شعراء وادباء کی خواہش وفرمائش رہتی تھی کبھی اسیف جائسی صاحب سے اور کبھی ادیب العصر فاضل نبیل مولانا چودھری سبط محمد نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ سے کہ ان بھائیوں کا کلام بلاغت نظام کہیں سے فراہم ہو جاتا تو بہت اچھا ہوتا چنانچہ اس علمی وادبی کام کے لئے چودھری صاحب اکثر جائسی صاحب کو ٹوکا کرتے تھے خوشی ہے کہ یہ کام ہوا لیکن افسوس ہے کہ چودھری صاحب کے پسِ مرگ مگر یہ بھی امید ہے کہ چودھری صاحب کی شادمانیٔ روح کا ذریعہ بھی ہوگا۔

یہ مجموعۂ کلام جناب وقار حسین نقوی ابن مولانا کامل حسین نقوی کامل اور کامل عباس نقوی ابن وقار حسین نقوی کے ایصال ثواب کے لئے طبع ہوا ہے لہٰذا مومنین سے گذارش ہے کہ قصائد کو پڑھنے کے بعد فاتحہ خوانی کو نہ بھولیں۔

حیدر علی
نائب مدیر ماہنامہ ''شعاع عمل''، لکھنؤ

شموس علم وادب

سید مصطفی حسین نقوی اسیفؔ جائسی مدیر ماہنامہ ''شعاع عمل''، لکھنؤ

دارالعلوم جائس ہمیشہ علماء اجل وفضلاء اکمل واہل اقتدار و دول کا موطن ومسکن رہا ہے۔ جس کے سبب یہ شہر قدیم الایام سے علم وعمل اور فکر ونظر کا مرکز بنا رہا اور یہی وجہ ہے کہ بھروں کے زمانے میں اس کا نام وڈیا نگر اشجع دوراں، فقیہ زماں نجم الملک علامہ سید نجم الدین سبزواری فاتح جائس اور ملّا میر عمادالدین قلعچی فاتح جائس عمِ بزرگوار سید نجم الدین سبزواری کے عہد میں ''جائے عیش'' یا ''جیش''، ملک محمد جائسی کے وقت سے ''دھرم استھان''، ''دارالعلوم''، ''دارالفنون''، ''دارالشعراء''، ''بلدۃ العلماء''، ''بلدۃ الادباء'' جیسے ناموں سے یاد کیا جارہا ہے۔

خاندان نقویہ

آیئے صرف ایک طائرانہ نظر ہندوستان کے اس عظیم اور شہرۂ آفاق علمی ومذہبی خاندان نقویہ کی تاریخ پر ڈالیں۔

سید الادباء مولانا سید محمد باقر شمسؔ (صاحب تاریخ لکھنؤ) تحریر فرماتے ہیں کہ ''بنی ہاشم خصوصاً خاندان رسالت ہمیشہ علم اور شجاعت دو جوہروں کا مالک تھا اور یہ دونوں جوہر آج تک قدرتی وراثت کے طور پر ہمیشہ منتقل ہوتے رہے۔ بیشک ان کے ظہور کے موقعے مختلف تھے جب تقیہ کی گھٹائیں چھائیں، زبان اور قلم پر پہرے بیٹھے تو علم سینوں کے اندر چراغ زیر داماں کی صورت مخفی رہا اور سپاہیانہ زندگی کے پردے میں شجاعت نے اپنے جوہر دکھلائے۔ لیکن جب امن وامان کا آفتاب نکلا اور تقیہ کا پردہ ہٹا تو وہ علمی جوہر جو تغافل زمانہ کے ہاتھوں قوت واستعداد کے پردے میں پنہاں تھا۔ فعلیت کے معرض میں آیا اور پھر وہ جلوہ گری دکھلائی کہ عالم بھر کی نظریں خیرہ ہوگئیں۔

نقوی سادات کے اس مقتدر خاندان کی تاریخ دو دوروں میں منقسم ہے۔ خلافت عباسیہ کا وسطی زمانہ اور غیبت صغریٰ کے بعد غیبت کبریٰ کا ابتدائی عہد، سادات کی مخالفت میں ظلم وستم کے سمندر کی کوہ پیکر لہریں، جبر واستبداد کی گھٹائیں اڈی ہوئی آپس میں، سادات کا بیڑہ اور وہ بھی بے ناخدا، اس عالم میں مظلوم سادات کے لیئے علمی مظاہروں کا کیا امکان تھا؟''

امام علی نقی علیہ السلام کے بعد انکی اولاد پر سامرہ کی زمین تنگ ہوگئی تھی، جعفر کے بعد طاہر اور پھر محمد نے کسی نہ کسی طرح اپنی وضع کو نباہا۔ اور اس سرزمین سے جدا نہ ہوئے لیکن ۲۱ رمضان ۲۹۲ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ اور ابوطالب حمزہ کو سامرہ چھوڑ کر ایران جانا پڑا جہاں انہوں نے ۲؍ربیع الاول ۳۱۰ھ شیراز میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ان کے بیٹے سید ابوالعلی محمد نے سبزوار میں جا کر قیام کیا اور وہیں ۲۸؍صفر ۳۳۰ھ میں پیوند خاک ہوئے۔ اس کے بعد سے یہ شجرۂ طیبہ سبزوار ایسے دارالایمان میں پھلتا پھولتا رہا۔ یہاں تک کہ کئی طبقے نسل کے وہیں پیدا ہوئے جن میں سے اکثر صاحبان علم دین گذرے ہیں۔

فقیہ عصر نواب نجم الملک سید نجم الدین سبزواری ''فاتح جائس''

صاحب تذکرۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ ''سید نجم الدین سبزواری منسوب بہ بلدۂ سبزوار کہ اشہر بلاد امامیہ است از امرائے سلاطین غزنویہ بود و بہ عزم نصرت سید سالار مسعود غازی بہ ہندوستان آمدہ۔ قلعۂ ودیانگر را مسخر فرمود وآن موسوم بہ ''جائے عیش'' شد کہ الحال ''جائس'' گویند۔''

صاحب تذکرۃ السادات نے نواب نجم الملک کو ''یکے از اتقیاءِ زمانہ بودند'' کہا ہے۔

جناب شمسؔ صاحب رقمطراز ہیں کہ ''سید نجم الدین سبزواری اپنے زمانہ کے علامۂ روزگار، فقیہ اور ساری رات مصروف عبادت رہنے والے متقی اور مشہور آفاق نبرد آزما، شجاع و بہادر تھے کہ ان کی نظیر چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھی۔

سالار مسعود غازی کی نصرت ومدد کے سلسلہ میں سبزوار چھوڑ کر ہندوستان آئے اور بتاریخ ۱۷؍رجب المرجب ۴۲۰ھ مطابق ۱۰۲۷ء قلعۂ ودیانگر کو اپنے چچا ملّا میر عماد الدین قلعچی

کی سرپرستی اور دعاؤں کے زیر سایہ مسخر کر کے اس کا نام ''جائے عیش'' رکھا جو کثرت استعمال سے جائس مشہور ہو گیا۔ اس وقت سے یہ قصبہ سادات نقویہ کا مسکن ہوا۔''

امتیاز الشعراء مولانا سید محمد جعفر قدسیؔ جائسی مرحوم اپنے مسدس ''خاندان اجتہاد'' میں

انبیاء کا تو ہے وارث، اولیا کا ہم وقار　　اتقیا کا سر گروہ اور اصفیا کا تاجدار
خضر اصحاب یمیں، جنت مکاں، قدسی شعار　　ذی شرف، ذی مرتبت، ذی منزلت، ذی اقتدار

فخر آبا، نازش قوم، افتخار اجداد کا
وجہ صد عزّ و شرف جائس نصیر آباد کا

میر نجم الدیں بہارِ بوستانِ سبزوار　　تیرے اجدادِ مکرم میں ہیں اے والا تبار
غزنوی فرماں رواؤں میں ہے ان کا بھی شمار　　تھا جو سر میں نصرتِ مسعودِ غازی کا خمار

ہند میں آکر مسخّر کر لیا وڈّیا نگر
نام رکھا جائے عیش اس کے مناظر دیکھ کر

رفتہ رفتہ نام جائے عیش کا، جائس ہوا　　لطفِ حق اس سرزمین پاک پر ہوتا رہا
ذرہ ذرہ کیمیا ساز کمال و فضل تھا　　گر خذف بھی مل گیا ان میں زر خالص بنا

تجھ سے منظور خدا کا جب ہو جائس نانیھال
کیوں نہ پہنچے تا بہ ہفت اقلیم پھر صیت کمال

اپنی حالت کو ہر اک ذرّہ بدلتا ہی رہا　　فضل حق سے فضل کے سانچہ میں ڈھلتا ہی رہا
آفتاب علم بن بن کر نکلتا ہی رہا　　رشک سے دل نیّر اعظم کا جلتا ہی رہا

معرفت افروز ہے، عرفاں مآبوں کی ضیا
دل فروز خلق ہے ان آفتابوں کی ضیا

حامل بار شریعت خلق میں وہ ماں ہوئی　　　جس کی چشم لطف تیری تربیت ساماں ہوئی

جس کی جوئے شیر، رشک چشمۂ حیواں ہوئی　　　گود جس کی ہمکنار رحمت یزداں ہوئی

اس صدف کا تو گہر ہے جس سے جائس کو شرف

پاک جیسا بطن، پاکیزہ ہے ویسا ہی خلف

غفران مآبؒ سے یوں خطاب فرماتے ہیں کہ:

سید نجم الدین کا سلسلۂ مجاہدات فتح جائس کے بعد بھی قائم رہا۔ آپ نے اپنی فتوحات سے ظلمتکدۂ ہند میں جا بجا توحید کے چراغ روشن کیئے۔ یہاں تک کہ ۱۰۲۷ء کے اواخر میں مشہور شہر بنارس میں عین جنگ کی حالت میں شہید ہوئے۔ قبر اس وقت بھی زیارت گاہ خواص وعوام ہے۔

نجم الملک کے بیٹے اشرف الملک سید شرف الدین بہادر باپ کی آغوش کے تربیت یافتہ خود بھی ایک ذی علم شجاع اور باہمت شخص تھے۔ فتح جائس کے بعد وہاں کی حکومت بھی باپ کی جانب سے انہیں کے نامزد ہوئی لیکن افسوس عمر نے وفا نہ کی اور باپ کے بعد صرف پانچ سال زندہ رہ کر ۴۲۵ھ مطابق ۱۰۳۲ء میں وفات پائی۔ ان کی اولاد نے بھی اپنے بزرگوں کے طرز عمل کے مطابق سپاہیانہ زندگی بسر کی اور ایک عرصہ سے جائس ہی اس خاندان علم وہنر و شرف ونجابت کا مرکز ہے۔

دار العلماء والشعراء "جائس"

جائس کے مایۂ صد نازش وافتخار فرزند سید الواعظین، ملک الناطقین، شمس العلماء، امیر الادباء والشعراء، کلیم اہلبیت، خطیب اعظم، شیر اودھ علامہ سید سبط حسن نقوی فاطرؔ جائسی اعلی اللہ مقامہٗ (متولد ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء متوفی ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء نے اپنی فارسی مثنوی "نقش اول" میں (جسے مرحوم نے چودہ برس کے سن ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں

تصنیف فرمایا تھا) اپنے محبوب وطن جائس کی توصیف میں جسے ۹۳۶ھ مطابق ۱۵۲۹ء میں مشہور و معروف بطل جلیل ابوالفضل مہاکوی ملک محمد جائسی نے ''دھرم استھان'' کہا تھا، فرماتے ہیں:

یکے قصبۂ ہست جائس بنام — محل صنادید عالی مقام

ز سادات معمور و آباد ہست — چو سکان خود پاک بنیاد ہست

ہماں جا بہ بزم شہود آمدم — ز کتم عدم در وجود آمدم

نحوست نیاید در آں مرز بوم — کہ عنقا ست مثل ہما ظل بوم

عجب خطۂ زیر افلاک بود — ز شوب معائب بسے پاک بود

کنوں گشتہ از جور گردوں خراب — شدہ منتشر ہمچو تصویر خواب

جہاں رشک برداز بلندیٔ آں — غلط کرد دہر ارجمندیٔ آں

تباہی عمل کرد در بام و در — کہ کاخش فتاد از قضا و قدر

مگر ہست وصفے در آں سرزمیں — کہ کمتر بود زیر چرخ بریں

بہ ماہ محرم ہمہ سبز پوش — پیٔ ابن حیدر ہمہ جاں فروش

برائے عزائے امام انام — نمایند با حسن نیت قیام

ہمہ مست جام مدام عزا — ہمہ جاں نثاران نام عزا

بود گریہ بر چشم آں فرض عین — بہ دل واحسین بہ لب واحسین

دل شاں ز نقد تولاّ غنی ست — در آں جا عزا دیدنی ست

خلوص دلی ایں چنیں کمتر است — بہ ہر جا غم سبط پیغمبر است

بہ بخشد خدایم گناہان شاں — ز الطاف افزوں کند شان شاں

ز فرزند و مال و زعز و ز جاہ — بہ باشند دل شاد شام و پگاہ!!

(ماخوذ از سوانح ''خطیب اعظم'' مولفہ ابوالبراعہ علامہ سید ظفر مہدی نقوی گہرؔ جائسی مدیر ماہنامہ ''سہیل یمن'' و شارح نہج البلاغہ)

یعنی بلند مرتبہ بڑے لوگوں کا مرکز، سادات سے آباد، بھرا پرا اور اپنے رہنے والوں کی طرح پاک بنیاد، جائس نامے جو ایک قصبہ ہے وہیں میں پیدا ہوا۔ اس سرزمین پر نحوست کا

گذر نہ تھا اور وہاں سایۂ بوم ظل ہما کی طرح عنقا تھا۔ افلاک کے نیچے یہ عجیب خطہ تھا۔ ہر طرح کی برائیوں سے پاک، جس کا حال اب جور آسمان سے خراب ہو گیا ہے اور جس کا شیرازہ خواب کی تصویروں کی طرح منتشر ہو گیا ہے۔ دنیا جس کی بلندی پر رشک کرتی تھی زمانے نے اس کو پستی میں ڈھکیل دیا ہے اور اس کی شان وشوکت کو حرف غلط بنا دیا ہے۔ قضا وقدر نے اس کی عمارت کو ڈھا دیا ہے اور اس کے بام ودر پر تباہی وبربادی کی عملداری ہے۔

مگر اس خرابی کے باوجود اس سرزمین میں ایک وصف ایسا ہے جو کہیں اور کمتر نظر آتا ہے یعنی یہاں محرم میں سب کے سب سبز پوش ہو جاتے ہیں اور حسینؑ ابن علیؑ پر جاں نثاری کے لیئے آمادہ۔ امام انام کی عزا کا حسن نیت سے اہتمام وانصرام کرتے، جام عزا سے سرمست رہتے اور عزا کے نام پر جان دیتے ہیں۔ وہ غم حسین میں گریہ کو فرض عین سمجھتے ہیں، ان کے دل بھی یا حسین کہتے ہیں اور زبان بھی۔ ان کے دل ولائے اہل بیتؑ کی دولت سے مالا مال ہیں اور جہاں جہاں بھی غم سبط نبیؐ برپا ہوتا ہے وہاں یہاں کا سا خلوص کم ہی نظر آتا ہے غرض یہاں کی عزاداری دیکھنے کی چیز ہے، دیکھنے کی!!!

اللہ ان کے گناہوں کو بخش دے، ان کی عزت وشان میں اپنے لطف وکرم سے اضافہ فرمائے اور وہ ہمیشہ آل ودولت اور جاہ وعزت سے سرفراز وشادکام رہیں۔!!

(ماخوذ از ''ہمارا جائس'' مصنفہ افتخار وطن سید کلب مصطفیٰ نقوی جائسی ایڈوکیٹ مرحوم)

منشی تصدق حسین صدقؔ جائسی تلمیذ علامہ جلیلؔ مانکپوری اپنے مسدس ''تاریخ جائس'' میں فرماتے ہیں:

منبع فضل وکمال اے جائس اے دارالعلوم ہے ترے افراد کی دنیا کے ہر گوشہ میں دھوم
کیوں نہ ہو مشہور تو ہندوستاں سے تابہ روم کم نہیں یونان کے خطہ سے تیری مرز بوم

دیکھ کر تاریخ اور سن سن کے افسانے ترے
ہیں ہزاروں اہل دل نادیدہ دیوانے ترے

تیری آبادی میں ہے لطف بہارِ بے خزاں　　تیرے نظارے سے حاصل تازگیٔ جسم وجاں

ہے سواد شہر تیرا روکش باغ جناں　　چشمۂ کوثر سے شیریں تر ترا کھاری کنواں

وجہ تسمیہ تری سنتا ہوں سب سے جیش ہے

میں یہ کہتا ہوں کہ تو دراصل جائے عیش ہے

ہیں محلے تیرے یا بارہ بروج آسماں　　تیری گلیاں ہیں کہ نکلی ہے زمیں پر کہکشاں

روشنی مہر تیرے ذرے ذرے سے عیاں　　سر بلند اشجار پر ہوتا ہے طوبیٰ کا گماں

پردۂ دنیا میں ممکن ہی نہیں تیرا جواب

تیرے باشندے بھی لاثانی ہیں تو بھی لاجواب

ہیں ترے بارہ محلے خلق میں بارہ امام　　ہے اسی نسبت کی باعث تو جہاں میں نیک نام

دو محلوں میں ترے آباد سادات کرام　　دس رہے، ان میں مشایخ اور بعد ان کے عوام

یوں تو ہیں سارے محلے ایک سے اک پُر بہار

ہے مگر ان سب سے بہتر منظر غوری سوار

دفن تیری خاک میں ہیں ایسے ایسے باکمال　　صفحۂ ہستی پہ اب ملتی نہیں جن کی مثال

اک عماد الدین خلجی کا سنا تا ہوں میں حال　　دیکھ لے آنکھوں سے اپنی ہو جسے کچھ احتمال

شام سے تا صبح جلتا ہے سر مدفن چراغ

آئے آندھی بھی تو گل ہوتا نہیں روشن چراغ

ذی شرف سید غلام مصطفی عالی وقار　　قدر داں تھا جن کا عالم گیر ایسا شہریار

تھا جنہیں دار القضائے مملکت کا اختیار　　آج جن کے ذکر سے پہلو میں دل ہے بیقرار

سیکڑوں عالم تھے جن کے زیرِ بار احسان سے

درس لینے آتے تھے فارس سے ترکستان سے

افتخارِ قوم ملّا باقر والا حشم کاسۂ سر جس محقق کا جواب جام جم
علم منطق میں عصائے موسوی جن کا قلم منطقی کھاتے ہیں اب تک جن کے قدموں کی قسم

کارنامے ان کے ہم دل سے بھلا سکتے نہیں
سر کو اپنے بار احساں سے اُٹھا سکتے نہیں

وہ ملِک ہم نام محبوب خدائے ذوالجلال فطرتاً بھاشا میں حاصل جن کو معراجِ کمال
جن کی تصنیفات پر اعجاز کا ممکن خیال جن کے علم وفضل کی "پدماوت" اک ادنیٰ مثال

بعد مرنے کے بھی دنیا میں ہیں ایسے ذی وقار
گھیرے رہتے ہیں مدام اہل مراد ان کا مزار

دو سمیٔ حیدرؑ و شبرؑ عزادارِ حسینؑ رشک لقماں فخرِ جالینوس بیمار حسینؑ
عاشق و پروانۂ روئے ضیا بارِ حسینؑ حق پرستوں کی نگاہوں میں پرستارِ حسینؑ

جنّتی نے حق محبت کا ادا کیا کیا کیا
عین ایماں تعزیہ داری ہی کو سمجھا کیا

فردِ کامل سید عبداللہ والا مقام اوّل اوّل ہند سے لندن گیا جو نیک نام
ایک مدت تک کیا انگلینڈ میں جس نے قیام نسبتاً اب لندنی کہتے ہیں جس کو خاص وعام

وہ زبان فارسی کا سہرا جس کے سر رہا
کیمبرج میں پرشین کا جو پروفیسر رہا

نیک دل سید غلامِ حیدرِ والا تبار ذی حشم خلقِ مجسم انتخابِ روزگار
جن کی اولاد اور تصنیفات اب تک یادگار مدت العمر اپنی حق گوئی رہا جن کا شعار

وقت کے پابند نیک آغاز نیک انجام تھے
یا عبادت یا کتب بینی یہی دو کام تھے

اہل دل استاد کامل عرشیؔ عالی مقام
نکتہ پرور نکتہ رس رنگیں بیاں شیریں کلام
زندۂ جاوید مشہور زمانہ نیک نام
مستفیض آج ان کی تصنیفات سے ہر خاص و عام

مبداء فیاضؔ سے کیا کیا ہوا ان کو عطاؔ
طبع موزوں فکر عالی جوش دل ذہن رسا

حامئ دیں حجت حق حضرت غفراں مآبؒ
ماحئ کفر و ضلالت ہادئ راہ ثواب
خاصۂ داور خدا کی نعمتوں سے بہرہ یاب
آفتاب چرخ رفعت شمع بزم بوترابؑ

اب کہاں وہ صحبتیں باقی کہاں وہ ذی حشم
چھوڑ کر ہم کو ہوئے سب راہئ ملک عدم

توصیفِ سندالمجتہدینؒ

اس مرقع کی مگر ہاں اک ابھی تصویر ہے
اہل جائس یہ تمہاری خوبئ تقدیر ہے
خاک پا اس کی برائے اہل دل اکسیر ہے
مجتہد ہے سوگوار حضرت شبیرؑ ہے

دوستو یہ شمع بزم افروز جو محفل میں ہے
دیکھ لو اس کی جگہ اہل نظر کے دل میں ہے

اختر اقبال چمکا ہے تمہارا دیکھ لو
چرخ رفعت کا یہ رخشندہ ستارہ دیکھ لو
دیکھ لو چشم بصیرت سے خدا را دیکھ لو
ہے رسولؐ اللہ کے پیارے کا پیارا دیکھ لو

ضعف و پیری میں بھی نورانی ہے چہرہ دیکھنا
کم نہیں ہے سورۂ یوسف سے اس کا دیکھنا

ساقیا رندوں سے طرزِ بے حجابانہ رہے
چشم میگوں کا وہی انداز مستانہ رہے
مے کشی کا آج کی مشہور افسانہ رہے
یادگارِ دہر یہ اجلاس شاہانہ رہے

بادہ کش شمع رخ روشن کے پروانے رہیں
یا الٰہی حشر تک آباد میخانے رہیں

مولوی رضا محمد نقوی رضاؔ جائسی فخر قوم خان بہادر مولوی سید کلب عباس نقوی جائسی ایڈوکیٹ کے سانحۂ ارحال پر اپنے تصنیف کردہ تعزیتی مسدس میں فرماتے ہیں کہ:

کیا کہوں آہ عجب ذات زمانے سے اُٹھی — ایک نعمت تھی جو رحلت کے بہانے سے اُٹھی
اک عجب دولتِ بیدار گھرانے سے اُٹھی — موت کے دستِ تعدی کے اٹھانے سے اُٹھی

متاثر ہیں سبھی جس سے یہ غم ایسا ہے
مرنے والے ہی سے پوچھوں ترا غم کیسا ہے

وہ کہے گا کہ اداروں سے یہ مضموں پوچھو — کس کا، کس کا مرے مرنے سے ہواخوں پوچھو
اہل محفل سے بھی اس مسئلہ کو یوں پوچھو — یاد سے اپنی مَیں کس دل میں نہیں ہوں پوچھو

نقش ہر دل پہ ابھی ہوگی بھلائی میری
سب کی دیکھی ہوئی ہے فرض ادائی میری

میں نے یہ اپنے بزرگوں کا چلن پایا تھا — علم گھُٹّی میں، تو مُٹّھی میں یہ فن پایا تھا
دردِ دیں دل میں بعنوانِ حسَن پایا تھا — اس پہ طرہ یہ کہ جائس سا وطن پایا تھا

تذکرے جس کی فضیلت کے زمانے میں رہے
دُرِ نایاب سدا جس کے خزانے میں رہے

شک نہیں اس میں کہ جاں رکھتا ہے قولِ مرحوم — کب نہ علم اور کمالات کی اس کے رہی دھوم
پہلے بھی علم کے گھر سے تھا یہ قصبہ موسوم — لِلّٰہِ الحمد کہ ہے آج بھی یہ دارِ علوم

اِس فلک کے نہیں کس جا پہ قمر چمکے ہیں
جا کے لندن میں بھی جائس کے گُہر چمکے ہیں

اسی جائس ہی کے تھے وہ مَلِک خوش اقبال
جس نے بھاشا میں دکھایا ہے بڑا اپنا کمال

اب کہ جب مُلک میں ہر سمت ہے ہندی کا سوال
دور اندیشی پہ آج اُن کے تصانیف ہیں دال

دم سے اُس جائسی کے نام وطن روشن ہے
شمع اک ایسی جلا دی کہ چمن روشن ہے

بخشے جائس ہی نے آئین اودھ کو سِبطَین
جونپور اس سے تو تھی لکھنؤ کی اس سے زین

دونوں ہی فخر وطن دونوں سے لطف بحرین
نامِ نامی بھی ہیں کیا، سِبطِ حسن، سِبطِ حُسین

ایک تھا اپنے زمانے کا خطیبِ اعظم
دوسرا ہند میں تھا عصر کا اپنے اَعلم

اِسی بستی کے تھے اک شاعر خوش گو اَحسنؔ
صوفیٔ باصفا اور عالم دیں، صاحب فن

تھے وہ مرحوم عزادارِ حسینؑ اور حسنؑ
نام جائس کا ہوا ان کے بھی دم سے روشن

بابِ عالیؑ علیؑ تک ہوا چرچا ان کا
شرف اندوز ہے روضہ میں قصیدہ ان کا

شان مرحوم کے گھر کی بھی ہے اب پیشِ نگاہ
کیا شرف حق نے دیا ہے اِسے اللہ اللہ

عصمت اللہ سا اِس گھر کا ہے مورث ذی جاہ
علماء اس کے سدا دیں کے رہے پشت و پناہ

آج بھی چشمۂ خیر و برکت جاری ہے
اب بھی اس پر اُسی صورت کرم باری ہے

اس گھرانے نے دئے دہر کو دو کلب حسین
ایک تھا معجزۂ سبطِ رسولُ الثقلین

دوسرا زینتِ منبر بھی تھا مسجد کی بھی زَین
ذاکر شام غریباں، دل زہرا کا چین

فضل خالق سے عجب اس نے گُہر پائے ہیں
لال پائے ہیں کہ دو شمس و قمر پائے ہیں

نہ فقط ہند تک اس گھر کی ہے دنیا محدود — اس کے افراد کا ہے کرب و بلا میں بھی وجود
تھا زِ بس جذبۂ خالص سے وہاں اس کا ورود — اس کو سرکار حسینی نے دیا نام و نمود

کسی ہندی نے جو پائی نہ وہ عزت دے دی
بھائی کے روضہ کی اس گھر کو امامت دے دی

شاعر مذکور افتخار ملک وملت سید کلب مصطفی نقوی ایڈوکیٹ کے ارتحال پر ملال پر اپنی نظم ''یادِ رفتگاں'' میں لکھنؤ سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

لکھنؤ! تو نے کیا کیا گُہر لے لئے — کتنے جائس کے شمس و قمر لے لئے
دہر میں نام کا جن کے ڈنکا بجا — وہ مشاہیر وہ نامور لے لئے
منتقل کیوں نہ ہوتی بہار اِس طرف — شاخِ نقوی کے گُلہائے تر لے لئے
کس کو کس کو نہ تیری زمیں کھا گئی — تو نے چُن چُن کے اہل ہنر لے لئے
پیروان و محبان آلؑ نبیؐ — جاں نثارانِ خیر البشرؐ لے لئے
جن کا تبلیغِ دیں خاص شیوہ رہا — دردِ دیں کے وہی چارہ گر لے لئے
عالموں کا کوئی تاج، کوئی مَلِک — کیسے نایاب سلطاں سیَر لے لئے
کوئی سید، کوئی شمس سے نامزد — قصرِ دیں کے ستون اور در لے لئے
کوئی سید تقی، کوئی سید نقی — ایک سے بڑھ کے اک ذی اثر لے لئے
کوئی آقا حسن، کوئی ابنِ حسن — راہ دیں کے عجب راہبر لے لئے
کوئی سبط حسن پھر نہ پیدا ہوا — کیسے کیسے وسیع النظر لے لئے
کوئی بھی دَور ماضی ہو یا حال ہو — کچھ اُدھر لے لئے کچھ اِدھر لے لئے
دعبل ہند اور شاعر خوش بیاں — مدح خوان شہ بحر و بر لے لئے
ہوں وہ خورشیدؔ یا ہوں فہیمؔ و حسینؔ — کیا ادیب اور اہل نظر لے لئے
وہ تمناؔ و ماہرؔ سے استادِ فن — وہ جنھوں نے کہ جنت میں گھر لے لئے

ایک دو ہوں تو ان کو گنائے کوئی — بیش سے بھی کہیں بیشتر لے لئے
آہ وہ جن کو جانِ خطابت کہیں — تھے بیاں جن کے جادو اثر لے لئے

جناب سید اولاد حسن نقوی رئیس جائس کی وفات حسرت آیات پر جناب مولوی سید دلدار علی نقوی رازؔ اجتہادی عرف منے آغا صاحب نے قطعۂ تاریخ میں جو اپنے وطن کے اہل کمال کی توصیف فرمائی ہے ملاحظہ ہو:

موت برحق ہے جواں ہو یا کوئی پیر کہن — پہنا ہے شادی کا جوڑا جس نے، پہنے گا کفن
خاک اُڑتی ہوگی اک دن گلستان دہر میں — ہے خزاں کی زد میں ہر اک نخل وریحان چمن
چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیرا پاک ہے — انجمن رہ جائے گی کوئی نہ شمع انجمن
کیسی کیسی ہستیاں آنکھوں سے پنہاں ہوگئیں — مل گئے مٹی میں کیسے کیسے دُرہائے عدن
کس کو کس کو روئیے کس کس کا ماتم کیجیے — رونے والا ایک دل اور کثرت رنج ومحن
منشئ دوراں کوئی کوئی خطیب بے عدیل — گذرے ہیں جائس میں کیا کیا صاحبان علم وفن
فارسی کا کوئی ماہر فاضل بھاشا کوئی — ملک ہندی کا مَلِک کوئی کوئی شاہِ سخن
خرقہ پوش فقر کوئی عاشق آل نبیؐ — زندگی کا ماحصل جس کی ولائے پنجتن
صاف ظاہر پاک باطن سوگوار کربلا — نام نامی تھا علی اور بعد میں شامل حسن
مست مولا شاعر شیریں بیاں صوفی مُنش — دعبل ہندوستاں کہیئے کہ حسان وطن
مدح حیدرؑ میں قصائد در زبان فارسی — افتخار پہلویاں شاعر شیریں سخن
ہاں مجھے تو یاد ہے جائس تجھے بھی یاد ہے — اور بھی تھے اک بزرگ اس نام کے فخر وطن
سر سے پا تک اک تقدس کا مرقع بے نظیر — عالمانہ گفتگو وہ وہ فرشتوں کا چلن
پاک باطن خوب سیرت متقی پرہیزگار — عالم شرع متین و صاحب خلق حسن
مالکِ تاج فضیلت ہو کے یہ حسن سلوک — اجتہادی ایک اک بچے سے ان کا حسن ظن
زینت منبر خطیب اعظم ہندوستاں — تھے اسی مہر شریعت کی ضیا سبط حسن

جن کے نغموں سے فضائے ہند میں تھا ارتعاش
صدر مجلس زیب منبر وہ خطیب بے عدیل
عندلیب گلشن جدت وہ اب خاموش ہے
ہم نشینی عالمان دیں کی تھی مد نظر
جس کی نکہت سے معطر ہیں ہوائیں آج بھی

مر گیا میرے چمن کا بلبلِ شیریں سخن
جس نے پلٹا ذاکری کا اک نیا طرز کہن
جس کی نقاشی پہ نازاں آج بھی ہیں اہل فن
لکھنؤ میں جا کے ڈوبا ہائے یہ مہر وطن
ہو گیا نذر خزاں ہائے وہ ریحان چمن

خانوادۂ خطیب اعظم

علامہ فاطرؔ کے خانوادہ میں بڑے بڑے صاحبانِ کمال شہرت کے بام عروج پر خورشید علم و ادب وہدایت بن کر چمکے اور آج بھی ان کے علمی کارنامے ان کے ناموں کو سورج بنائے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایسے چند افراد کے اسماء پیش ہیں۔

دعبل ہند حضرت ذاخرؔ اجتہادی، خطیب اعظم فاطرؔ، علامہ ظفر مہدی گہرؔ، حسان الہند کاملؔ، سید محمد گرامیؔ، لسان الشعراء سید الواعظین مولانا سید اولاد حسین نقوی شاعرؔ اجتہادی متوفی ۱۱ر ستمبر ۱۹۵۷ء، حسینی شاعر مولوی سید ظفر عباس فضلؔ نقوی اجتہادی، [۱] انیس عصر حضرت مہدی نظمیؔ اجتہادی، متوفی ۳۰ر مئی ۱۹۸۷ء، ناظر خیامی، سید الشعراء سالک لکھنوی، متوفی ۱۳ر مارچ ۱۹۷۶ء، ماہر شعر وسخن ماہرؔ لکھنوی، [۲] مولوی سید منظر حسن منظرؔ اجتہادی، متوفی ۲۲ر جون ۱۹۷۵ء، سید مجتبیٰ حسن طالبؔ، متوفی ۱۹۶۷ء، مولانا سید محمد موسیٰ کلیم، متوفی ۱۹۴۴ء اور آج بھی اس خانوادے کے علمی افراد میں مولانا سید وارث حسن نقوی ساحرؔ پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ، ساغرؔ خیامی اور شکیل حسن شمسی اہمیت کے مالک ہیں۔

علامۂ جائسی سندالمجتہدین

فقیہ موتمن سید علی حسن نقوی ابن مولانا سید غلام امام نقوی طاب ثراہما

آیۃ اللہ العظمیٰ سید المحققین سند المجتہدین علامۃ الزمن مولانا السید علی حسن نقوی کا سلسلہ نسب امام دہم حضرت علیؑ نقی علیہ السلام تک پہنچتا ہے ایک روایت کے مطابق ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱-۲۲ء میں آپ جائس میں متولد ہوئے۔ عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد اور مولانا اوصاف علی نقوی جائسی شاگرد غفران مآبؒ سے حاصل کی اور پھر لکھنؤ میں اعلیٰ تعلیم فخر المدرسین ممتاز العلماء سید محمد تقی جنت مآبؒ ابن علیین مکانؒ، اعلم عالم سید العلماء سید حسین علیین مکانؒ ابن حضرت غفران مآبؒ اور سلطان العلماء سید محمد رضوان مآبؒ (جن کے سند المجتہدین کے والد ماجد مولانا غلام امام صاحب متوفی ۱۲۶۴ھ بھی شاگرد تھے) سے حاصل کی۔ سند المجتہدین کا سن شعور سے لے کر اواسط عمر تک لکھنؤ میں گذرا۔ تحصیل علوم اور درس وتدریس میں عمر کا کافی حصہ بلکہ زمانۂ حیات سارا کا سارا اسی شغل میں بسر ہوا۔ آپ خاندان اجتہاد کے صرف شاگرد رشید ہی نہیں بلکہ ایک رکن رکین بھی تھے۔ آپ زمانۂ شاہی میں مسجد امین الدولہ بہادر میں جو کہ امین آباد کے ہر چہار دروازہ پر ایک ایک مسجد میں ایک ایک پیشنماز مقرر تھا ایک مسجد میں آپ بھی امام جماعت تھے۔ مدرسۂ سلطان المدارس لکھنؤ کے مدرسین وطلاب کے وظائف کی تقسیم بھی آپ سے متعلق تھی نیز تقسیم خمس وزکوٰۃ منجانب سلطان العلماء طاب ثراہ اور جوابات خطوط عراق وایران وہندوستان حسب الحکم سلطان العلماء وسید العلماء طاب ثراہما آپ تحریر فرماتے تھے۔ آپ کے مخصوص احباب میں علماء کے علاوہ خلاق مضامین مرزا سلامت علی دبیرؔ، منشی نولکشور اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ایڈ ورڈ ہنری پالمر لندنی وغیرہ تھے۔ پالمر سے چہار زبانوں میں خط وکتابت ہوتی تھی۔ خطوط آج بھی خانوادۂ سند المجتہدین کی نسل میں مولوی سید محمد نقوی بسملؔ جائسی صاحب متوفی ۲ راگست ۲۰۰۵ء مدفون بہ

حسینیۂ حضرت غفرانمآبؒ (مجلس چہلم، ۴؍ستمبر ۲۰۰۵ء مطابق ۲۹؍رجب ۱۴۲۶ھ) کے گھر میں محفوظ ہیں۔ علامہ جائسی عربی، فارسی اور اردو کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔

سند المجتہدین نے بمقام جائس ۲؍رجب ۱۳۳۲ھ مطابق ۷؍مئی ۱۹۱۴ء بروز پنجشنبہ بوقت صبح انتقال فرمایا اور اپنے خاندانی مقبرے میں مدفون ہوئے۔

صاحب مطلع انوار مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل تحریر فرماتے ہیں کہ:

فقیہ موتمن سید علی حسن بن غلام امام صاحب جائس کے مشہور عالم اور اپنے عہد کے مرجع تھے۔ علم و عمل، زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ جناب مولانا سید محمد صاحب اور جناب مولانا سید محمد تقی سے تلمذ تھا۔

مرتبۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ بڑھاپے میں عراق تشریف لے گئے تو علما نے سند المجتہدین کے لقب سے یاد کیا۔

سجاد حسین کرولوی پرگنہ ڈلموٗ ضلع رائے بریلی نے مجموعہ مسائل مرتب کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف سے کس قدر استفسارات و رجوع خلق تھی۔ یہ مجموعہ مولانا آغا مہدی صاحب کے پاس کراچی میں موجود ہے۔

عبدالحی صاحب کی روایت ہے کہ ۹۵ برس کی عمر پائی اور ۲؍رجب ۱۳۳۲ھ مطابق ۷؍مئی ۱۹۱۴ء کو جائس میں رحلت کی۔ مولانا آغا مہدی نے لکھا ہے۔ ۱۹۱۴ء میں اس دنیائے ناپائیدار کو خیرباد کہا اور کئی فرزند علم و عمل سے آراستہ چھوڑے۔ شمس العلماء مولانا سبط حسن صاحب ان کے نواسے تھے۔

تصنیف: دلائل السَّنِیَّہ فی اجوبۃ المسائل السُّنِّیَّہ (طبع لکھنؤ)

(تاریخ سلطان العلماء، ص ۱۶۲۔ نزہتہ الخواطر، ج ۸ ص ۳۲۹)

مولانا سید ظفر مہدی گہرؔ صاحب ''سوانح خطیب اعظم'' میں تحریر فرماتے ہیں:

سند المجتہدین مولانا سید علی حسن قبلہ بن مولانا سید غلام امام بن سید علی حسین بن سید محمد زماں بن سید منجھلے بن علاء الدین بن فتح اللہ بن سید ارشد بن یوسف ثانی بن سید طاہر ثالث

علامۂ جائسی سند المجتہدین مولانا سید علی حسن

بن سید حسن بن سید یوسف اول بن سید طاہر ثانی بن سید میران بن شہاب الدین بن میر علی عرف میاں بھیک بن سید جلال بن سید عمر علی سید عالم بن سید علی بن سید شرف الدین بن نواب نجم الملک نجم الدین بن سید ابو علی بن سید ابو اعلیٰ بن سید حمزہ بن سید طاہر اول بن جعفر التواب بن امام الہمام حضرت علی نقی علیہ السلام۔

نانا جان مرحوم کا زہد وورع، علم وتقوی، فضل وکمال، حسن خلق، حسن تربیت، وجاہت ذاتی، حسن صورت وسیرت، یہ تمام صفات خدا نے انھیں عطا فرمائے تھے، شب کے حصہ میں بہت کم سوتے نماز تہجد کبھی قضا نہیں ہوئی، ان کی قوت استنباطیہ مسائل اپنی آپ ہی نظیر تھی۔ اجتہاد ان کے لئے زیبا تھا اور وہ اجتہاد کے لئے بنائے گئے تھے، جب عراق تشریف لے گئے تو میں بھی ہمراہِ رکاب تھا۔ تمام مجتہدین عظام ان کی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور ''القادم یزار'' پر عمل کیا اور جناب اخوند خراسانی علیہ الرحمہ نے انھیں اجازۂ اجتہاد کے ساتھ سند المجتہدین کا لقب بھی مرحمت فرمایا اور جناب سید رحمہ اللہ نے اس کی تصدیق وتائید فرمائی۔

آپ کے تصنیفات اکثر ہیں، جن سے زیادہ تر غیر مطبوعہ ہیں، بعض رسائل طبع ہو چکے ہیں جن کی فہرست اس وقت مجھے یاد نہیں تخمینہ ہے کہ تقریباً پندرہ بیس رسائل سب ملا کے ہوں گے۔

آخر وقت میں گورنمنٹ کی طرف سے آنریری مجسٹریٹی آپ کو سپرد کی گئی جس سے آپ کارہ تھے اور برابر انکار کئے جاتے تھے، آخر اصرار کی وہ حد پہنچی کہ خلق کریم کے ماتھے پر شرم وانفعال کا پسینہ آ گیا اور آپ نے منظور کر لیا۔

جب اس گروہ نے جو آپ سے مخفی عداوت اور بظاہر خلوص رکھتا تھا اس فعل پر اظہار نکتہ چینی اور اعتراض کرنے شروع کر دیئے تو پہلے آپ نے کچھ مدت تک خاموشی اختیار کی مگر جب خاموشی دشمنوں کے دریدہ دہنی کا سبب بنی تو آپ نے اس مطلب کے متعلق ایک رسالہ جس کا نام ''اظہار التجویز'' ہے لکھ کر شائع فرمایا جو ایک جواب مسکت اور لا جواب تھا یہ رسالہ میرے پاس بھی ہے اور اکثر حضرات کے یہاں موجود ہے۔

فارسی زبان پر علوم عربیہ کے ماسوا انھیں عبور تام حاصل تھا، ان کی انشا پردازی نہایت سلیس اور با محاورہ ہوتی، ان کا خط بے حد جمیل اور جاذب نظر تھا اور ایک خاص انداز اس خط کا تھا جو کسی دوسرے کاتب میں نہیں دیکھا گیا۔

آخر یہ مجسمۂ انسانیت وورع واتقا ۲/رجب ۱۳۳۲ھ کو زیر زمین روپوش ہوگیا۔ جائس زن ومرد واطفال کے گریہ وبکا سے نمونۂ قیامت تھا، لوگ تابوت کو آنکھوں سے لگاتے تھے اور بہتوں نے میت مرحوم کے پاؤں آنکھوں میں لگائے اور بوسے دیئے۔

برادر مرحوم نے نانا جان مرحوم کی بھی تاریخ وفات فارسی میں کہی جوان کی قبر پر کندہ ہے اور جس کے اشعار حسب ذیل ہیں:

قبلۂ اہلِ تقیٰ کعبۂ ارباب خرد — شمع کاشانۂ ایمان ویقیں عالمِ دہر
مرکز مکرمت نفس و محیط اخلاق — صدفِ گوہر دیں دُرِّ ثمیں عالمِ دہر
لمعۂ بود زانوارِ شموسِ عرفاں — برجبیں داشت رقم ہادی دیں عالمِ دہر
زہد وتقویٰ کہ گلستاں جناں قیمت اوست — عالمے داشت ازاں زیرِ نگیں عالمِ دہر
دومِ ماہِ رجب بود کہ از حُکمِ اللہ — شد تہی عالمِ ایجاد ازیں عالمِ دہر
خاک ناز دبسر چرخ مکوکب کہ دروست — جوہر فرد جہاں مہرِ مبیں عالمِ دہر

مصرعِ سال نوشتم بسرِ لوح مزار
قبرِ پاک سند المجتہدیں عالم دہر
۱۳۳۲ھ

وہ صرف مجتہد ہی نہ تھے بلکہ جسمانی قوتوں کو بھی روحانی قوتوں کے ساتھ ملحوظ رکھتے تھے اور فنون سپہگری میں بھی کمال حاصل تھا۔ اس فن میں بھی وہ خاندان اجتہاد کے شاگرد تھے اور جناب سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ مرحوم سے میں نے بھی استفادہ علم کیا ہے اور جب ان کی عمر اسّی برس کی تھی اس وقت اس انحطاط عمر میں ان کی قوتوں کا مشاہدہ کیا ہے، اکثر اوقات ہم لوگوں کے دل بہلانے کے لئے جبکہ ''شافیہ'' کا سبق ہوتا تھا اور صرف کے

مطالب سے الجھن ہونے لگتی تھی تو وہ کتاب بند کر دیتے تھے اور ہم پانچ چھ لڑکوں سے وہ اپنی کلمہ کی انگلی سیدھی کر کے فرماتے تھے اسے جھکادو۔ بچپنا تو بچپنا، سبق سے نجات کا موقع ملتا تھا اور ہم سب کے سب انگلی جھکانے کی کوشش مِل کے کرتے تھے مگر ناکامیاب رہتے دس پانچ منٹ کے بعد فرماتے ''اچھا اب پڑھو، پھر زور کرنا، اور اپنی اپنی صحت وقوت کا لحاظ رکھنا کیونکہ دماغ کی صحت کا صحتِ جسم پر انحصار ہے اور دماغ کی صحت پر علم کا انحصار ہے۔

تعلّم وتلمذ جدامجد اعلی اللہ مقامہٗ

خاندان اجتہاد ہی سے شرف تلمذ حاصل تھا اور حضرت سلطان العلما طاب ثراہ و حضرت سید العلما طاب مرقدہ اور حضرت ممتاز العلماء فخر المدرسین جعل الجنتہ مثواہ سے وہ خصوصیات اسی تلمذ کی بنا پر حاصل ہو گئے تھے کہ اس گھرانے کے رکن رکین سمجھے گئے تھے اور مدارالمہام سرکار شریعت مدار حضرت زبدۃ العلماء مرحوم ہوئے۔ کتابت مواعظہ وخطوط ومسائل ونگرانی مدرسہ وتقسیم زرزکوٰۃ وتحصیل دیہات وغیرہ انھیں سے متعلق رہی اور ایک مدت تک امور مذکور کو انصرام دیتے رہے۔

بعد انقضائے عہود اساتذۂ فخام اپنے وطن میں خانہ نشین ہوکر بہ نیابت خاندان اجتہاد صاحب مہر ونگین ہوئے اور تقریباً آخر عمر میں عراق بغرض زیارت تشریف لے گئے جہاں اجازۂ اجتہاد وخطاب سند المجتہدین ملا۔

مولوی غلام امام صاحب پدر بزرگوار حضرت سند المجتہدین اعلی اللہ مقامہما بھی اسی خاندان سے برشتہ تلمذ وابستہ تھے اور حضرت رضوان مآب جناب مولانا السید محمد صاحب مجتہد العصر طاب ثراہ کے شاگرد رشید تھے اور اسی صفہ مبارکہ میں مدفون ہیں جہاں حضرت رضوان مآب محوخواب ہیں۔

اس تلمذ ووابستگی کا تذکرہ برادر مرحوم اعلی اللہ مقامہ نے اپنی مثنوی ''نقش اول'' میں اس طرح فرمایا ہے:

ذکر فرماتے ہیں۔ اور خاندان اجتہاد کی مدح۔

مدح خاندانِ اجتہاد

بعہدِ صباؤ بعصر شباب — ہمی داشت سوے مکارم ایاب
تلمذ گرفت است زاں خانداں — کہ شد مایۂ ناز ہندوستاں
منور ز تنویر شان کو بکو — خصوصاً تجلی گہہ لکھنؤ
بشد بیت شاں از صلاح وسداد — کہ شد نام او خانۂ اجتہاد
فروغے گرفتند از نورِ علم — چو موسیٰ رسیدند بر طور علم
ز شادابیِ نونہالانِ دیں — شد آئینۂ سبز گردوں زمیں
بہ تیغِ زبان و بنوکِ قلم — نمودند دین و یقیں را بہم
شدہ منہزم فوج بغی و عناد — چو کردند با سیف صارم جہاد
ہر آنکس کہ بیند چنیں صفدری — بیاد آورد ضربتِ حیدری
زخصمش ربودند گوئے فلاح — ز سوز بوارق ز طعن الرماح
نشان ہدایت بر افراختند — زمیں را بخود آسماں ساختند
سوے کعبۂ حق نشاں دادہ اند — بوقتِ اقامت اذاں دادہ اند
خوشا رہبرانِ ہدایت شعار — بایشاں بنایش بشد استوار
بوعظِ حسن چوں مجادل شدند — نقوش اباطیل باطل شدند
گہر میفر وشید حسنِ بیاں — خفی قدر ایشاں نہ کم مایگاں
سلیمان علم و کرامت ایاب — مہیں نیّر فضل غفراں مآبؒ
بعہدے کہ آصف بتاج وبخت — بدہ روشنی بخش سیماے بخت
نمودہ رجوع از عراق عرب — بہ ہند آمدہ ہمچو تائیدِ رب

دراں عصر دیں را نماے نبود — بجز از ایماں نہاں ے نبود

جس وقت حضرت غفران مآب رحمۃ اللہ علیہ عراق سے پلٹے تو اس وقت ہندوستان کی حالت باعتبار دین ومذہب کیا تھی، اس کو یوں بیان فرماتے ہیں:

نہ کس داشت ذوقِ صلوٰۃ وصیام — جہالت بہر خاص گردیدہ عام
مسلماں مگر رسمِ ایماں نبود — جہاں داشت قالب مگر جاں نبود
نہاں بود از خلق احکام شرع — نبود ہ بنوکِ زباں نامِ شرع
ز عرفاں نہ کس بہرۂ داشتہ — ہمہ جہل را زیور انگاشتہ
زحکم شیاطیں ہر آنکس کہ بود — بشغل معاصی بسرمی نمود
نہ بد فرق باطل ز آئینِ حق — جہاں میگرفت از شیاطیں سبق
احادیث از پردۂ گوش دور — چو مستاں میے ہر نفس ہوش دور
ز عقبیٰ تغافل بدنیا نیاز — بہر سمت دست تطاول دراز
بدہ نزد شاں زال دنیاے دوں — بناز و ادا شاہد ذو فنوں
بخود ہند میداشت قومِ جہول — چو قومِ عرب قبل بعث رسول
چو آمد بہ ہند آن یم وبحرِ دیں — ازو نور بگرفت سطحِ زمیں
مگر ہمچو ارباب زہد و تُقیٰ — ہمی داشت از فرِّ بیجا اِبا
غنی بود لیکن نمی داشت مال — بود بس پئے نفس کامل کمال
بترکِ جہاں گنج دیں خواستہ — بآئین اخلاق پیراستہ
بسعیش دریں مربع خوش نہاد — نمازِ جماعت بصف ایستاد
کشود از ہدایات دروازہ ہا — رسیدہ باکناف آوازہ ہا
زباں را بتعلیم تکلیف داد — پئے رہبریٔ جہاں پانہاد
زشمع زباں دہر پرنور داشت — کہ نزد خدا سعی مشکور داشت
زفیضش شناسید ایں مرز بوم — سمات الٰہی نکات علوم

شنیدند حکم اقیموا الصلوٰۃ — شدند اہل زر وقف اٰتوا الزکوٰۃ
نمودند چوں اقتدا مومنیں — شدہ وارکعوا بامع الراکعیں
ہدایت نمودہ بحق جاں بداد — سبک رفت از جائے کون و فساد
بیاری ایماں قضی نحبہ — فطوبیٰ لہ ثم طوبیٰ لہ

مدح اولاد حضرت غفران مآبؒ و ذکر تلمذ جد امجد مرحوم

پس از ارتحالش زا اولاد او — بقلبِ جہاں داشت جا یادِ او
زشاں گشتہ محکم اساسِ صلاح — نمودند دعوت بسوئے فلاح
تلمذ زا یشاں گرفت آنجناب — کہ دارد توجہ سوئے او خطاب
قلیلے زوصفش بیاں ساختم — بطول کلامی نپرداختم
بدہ نزد آں ہادیانِ سبیل — بحدیکہ نالید کوسِ رحیل

حضرت سند المجتہدین نے اس وقت تک لکھنؤ نہیں چھوڑا جب تک اولاد غفران مآبؒ اعلی اللہ مقامہ کی ذی وجاہت فردیں زندہ تھیں اوران لوگوں کے انتقال کے بعد آپ نے لکھنؤ چھوڑا اور قصبۂ جائس میں آ کے قیام مستقل فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

چو رفتند از عالم فتنہ ساز — چنیں باکمالاں ہدایت نواز
بیامد بجائس چو فضلِ خدا — نگیں دار در خانہ بگرفت جا

خطیب اعظم حضرت سند المجتہدین سے اپنی تعلیم و تعلم کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مدح اس عنوان سے فرماتے ہیں:

حمید السجایا کریم الخصال — ثمین الوریٰ راس اہل کمال
بعصرش وحید وبدہرش فرید — کم امثال او دیدۂ چرخ دید
ز خلق حسن بہرۂ داشتہ — مہیں نفس خود را کم انگاشتہ

عمیم است خلقش بخاص وبعام تو گوئی ملک ہست بین الانام

رسی گر بدربار نایاب او اعزائے اویند اصحاب او

بمدحش اعادی او تر زباں زفیضش ہمہ خلق رطب اللساں

بخیر السبل، ہمچو خضرِ طریق گرفتہ ز زہد و ز تقویٰ رفیق

قدم می زند از صفا صبح و شام چو بر طارم چرخ ماہِ تمام

کشایندۂ عقدہائے علوم در اخیار چوں بدر بین النجوم

چراغِ شب تار شب زندہ دار تقیِ جہاں زاہد روزگار

ز صیت وقارش جہاں ممتلی ز نورش سواد مکاں منجلی

ضیا بخش مہر است در صبح شیب جدا ماند ز ائینہ اش زنگ عیب

محب سازِ دشمن ز الطاف خویش صفا بخش عالم زا وصاف خویش

فروزندۂ شمع زہد و تقیٰ دلش گوہر تاج عقل و نُہیٰ

ز حسن عمل جامع نشائتین شب و روز بر دعویم شاہدین

بدنیا باوہست خیر کثیر نہ دستے برد یافت نفس شریر

غرور و ضلالت ازو دور دور ز تقویٰ بخود داشت نفس حضور

دریں گنبدِ سبز چرخ بریں نیامد بچشم ثمایے چنیں

ز اصرار قلب وتمنائے خویش گرفتم بدرگاہ او جائے خویش

شدم خوشہ چیں از گلستانِ او مشامم معطر ز ریحان او

شب و روز می داشتم التزام بصبح ومساہم چو صبح و چو شام

شدم متعظ از کلامش بسے چہ یک من؟ کہ شدمہتدی ہر کسے

چہ دانند قدر ش جنود عوام معلے است یکتا گہر از رخام

دہد طول عمرش خدائے ودود بود تا بصحن جہاں ہست و بود

عدوش غریق بحار الم صد یقش بری از ملالِ ستم

اس حقیقی مدح سرائی کے بعد جد محترم حضرت سند المجتہدین کے تلمذ و تعلم کا تذکرہ فرمایا ہے اور خاندان اجتہاد کا ذکر کیا ہے جیسا کہ گذشتہ شعروں سے ثابت ہے جو اوپر نقل کئے گئے۔

جو کچھ مدح فرمائی ہے وہ لفظ بلفظ حضرت جد امجد کے صفات و حالات پر منطبق ہے۔ حقیقت میں وہ ایسے ہی تھے اور تعریف میں جو بیان واقع کی حیثیت رکھتی ہے کوئی غلو، مبالغہ یا اغراق نہیں۔

اس بارگاہ میں نہ صرف ابتدائی تعلیم برادر مرحوم نے حاصل فرمائی بلکہ آداب محفل طریقۂ گفتگو، طرز عرض مطالب اور بہت سے مسائل علمیہ وحکمیہ کو بغیر پڑھے سیکھ لیا۔ اور اب انھیں علم کی منزلیں طے کرنے میں کوئی دقت نہ محسوس ہوتی تھی‘‘

خطیب اعظم اپنے سفر زیارات کے باب میں اپنے نانا صاحب کا یوں ذکر خیر فرماتے ہیں:

تھے رہبر قافلہ خوش انجام — جد امجد علی حسن نام
وہ فاضل و اوحدِ زمانہ — تھے اپنے صفات میں یگانہ
گو ایک بلا تھا ضعف پیری — اور اس پہ صعوبتیں سفر کی
اسّی سے زیادہ تھا سن و سال — پر لطفِ خدا تھا شامل حال
ہر گام پہ حق سے استعانت — ہر سانس پہ خواہش زیارت
ہر لحظہ ولائے آلؑ کا جوش — غرق اس میں زبان و دیدہ و گوش
چہرہ بھی تھا آفتاب صورت — تھا شیب مگر شباب صورت
تصویر بقا بدل چکی تھی — اِس مہر کی دھوپ ڈھل چکی تھی
اک عمر خدا کی کر کے طاعت — لوگوں کو بتا کے راہ جنت

پڑھوا کے نمازیں درس دے کر　　بے مثل و نظیر زاد لے کر

ڈالا تھا قدم رہ سفر میں　　تھا گلشنِ کربلا نظر میں

خواہش تھی نہ اب مراد باقی　　بس تھا یہی اک جہاد باقی

کم کردیا دہشت اجل کو　　چمکا دیا نامۂ عمل کو

تھی اہل و عیال کی معیت　　جاتے تھے پئے سلام حضرت

نانی مری اور ان کے فرزند　　فرزندوں کے بھی کئی جگر بند

دو بیٹیاں میری اور برادر　　ماں باپ کے ساتھ میری خواہر

ماموں تھے بڑے زکی حسن بھی　　منجھلے ماموں ولی حسن بھی

بعضوں کا نصیب اوج پر تھا　　والد کا تو دوسرا سفر تھا

شبیرؑ کے در سے اوج پایا　　مولا نے دوبارہ پھر بلایا

خیر اب تو ہیں بارِیاب حضرت　　اللہ کرے غریقِ رحمت

تھے معتقدین خاص بھی ساتھ　　پھیلائے ہوئے پئے دعا ہاتھ

سب اہل وقار تھے، مسن تھے　　دل راہِ وفا میں مطمئن تھے

تھا موسم شیب قوت انگیز　　بالوں کی سپیدیاں طرب خیز

ان میں تھا ہر ایک صدق آثار　　ہر فرق پہ صبح تھی نمودار

پیری میں یہ تھا جہاد اکبر　　باندھے ہوئے تھے کفن سروں پر

پیدا تھی ہر اک جبیں پہ تحریر　　مغفور ہیں زائرانِ شبیر

امتیاز الشعراء حضرت قدسیؔ جائسی نے سند المجتہدین کے ارتحال پر ملال پر جو نظم تصنیف فرمائی ہے وہ نذر قارئین ہے۔

کہاں سے طاقت گفتار لائیں　　فغانِ دل تمہیں کیونکر سنائیں

دغا کی موت نے ہم سے دغا کی
یکایک چھین لی نعمت خدا کی

ہمارے سر سے اُٹھا کس کا سایہ
فغاں سے عرش کا ہِلتا ہے پایہ

الم انگیز ہے یہ سانحہ بھی
قیامت خیز ہے یہ واقعہ بھی

سدھارا کس طرف ہادی ہمارا
ہوا کس انجمن میں جلوہ آرا

دکھائے گا ہمیں اب راہ حق کون
پڑھائے گا ہدایت کے سبق کون

وہی تھا رہبر گُم کردہ راہاں
وہی تھا سالک شہراہ عرفاں

وہ اک آئینہ قدرت نما تھا
وہ اک گنجینۂ لطفِ خدا تھا

عمل پیرا تھا اپنے علم پر وہ
رہا یاد خدا میں عمر بھر وہ

ادب آموز ہر اک بات اس کی
تھی آدابِ مجسم ذات اس کی

وہ تھا سر حلقۂ اربابِ تحقیق
زباں اس کی کلیدِ بابِ تحقیق

فلک حد ہے کوئی آخر جفا کی
دوا کیا ہوگی دردِ لا دوا کی

نہ بھولے گا نہ بھولے گا ہمیں وہ
ہمیشہ یاد آئے گا ہمیں وہ

نہ کی افسوس کچھ بھی قدر نعمت
رُلائے گی لہو برسوں یہ حسرت

وہ اک نعمت تھا انعامِ خدا سے
وہ اک آیت تھا آیاتِ ہُدا سے

فرشتہ پیکرِ انساں میں تھا وہ
مجاہد، طاعت سبحاں میں تھا وہ

رہے اس پر نگاہ رحمتِ حق
لحد ہو جلوہ گاہ رحمتِ حق

قصور خلد کی زینت وہ دیکھے
بہار گلشنِ جنت وہ دیکھے

رہیں خدمت میں حورانِ بہشتی
ملے رہنے کو ایوانِ بہشتی

مقدّر نے دکھایا آہ یہ غم
کہ ہم ہیں اور اس کی بزم ماتم

بنے ہم سوگوار اس باصفا کے
ہوئے ماتم نشیں مہرِ ہُدا کے

بنایا دہر نے اس کا عزادار — حقیقت میں جو تھا ہم سب کا غمخوار
ہیں سب سوز الم سے داغ بر دل — جگر صد چاک، دل تصویر بسمل
نہ بھولے گا کبھی وہ لطف صحبت — گھڑی بھر روح کو ہوتی تھی فرحت
جِلا ہوتی تھی ایماں کو ہمارے — سبق ملتا تھا ایقاں کو ہمارے
ہمیں سب شفقتیں ہیں یاد قدسیؔ — تڑپتا ہے دل ناشاد قدسیؔ
نظر کے سامنے صورت وہی ہے — دل شیدا کی محویت وہی ہے
اُسے دو دن میں کیونکر بھول جائیں — کسے بیتابیٔ فرقت دکھائیں
کھٹک جب دل میں ہو چین آئے کیونکر — رگ جاں کے لئے یہ غم ہے نشتر
ہے جب تک تن میں جانِ زار باقی — رہے گی حسرتِ دیدار باقی
اُسی کے دم سے تھی محفل کی رونق — نظر آتا تھا ہر سو جلوۂ حق
دکھائی زندگی نے کج ادائی — حسینوں کی طرح کی بے وفائی
پیام موت آیا دفعتہ آہ — ہوئے کم حادثے ایسے بھی واللہ
سُنا جس نے جہاں حیراں ہوا وہ — سر اپنا پیٹ کر گریاں ہوا وہ
جنازہ شانِ شاہانہ سے اُٹّھا — جلو میں چند عالم سر برہنہ
نہ تھا قابو کسی کا اپنے دل پر — سبھی تھے نوحہ خوان و خاک بر سر
ہر اک کو تھی غضب کی بے قراری — عجب جوشِ بُکا تھا سب پہ طاری
بڑوں کی طرح تھے ناشاد بچے — تڑپ کر کرتے تھے فریاد بچے
کبھی تھے نالۂ بے اختیاری — کبھی شورو فغان وآہ و زاری
نقیبوں کا بیاں تھا عبرت آثار — رُلاتے تھے لہو پُر درد اشعار
قیامت کا سماں پیش نظر تھا — کہ خورشید امتحاں گیر اثر تھا

اُدھر وہ دھوپ کی شدت کا عالم — جلاتی تھی اِدھر دل سوزش غم
زوالِ شمس پر آئی قیامت — چھپا مٹی میں خورشید ہدایت
لحد میں نور تھا چہرے کا ساطع — زمیں تھی طور کے مانند لامع
چراغِ قبر سجدے کا نشاں تھا — عمل کا جلوۂ آخر عیاں تھا
سپہر علم و حکمت کا ستارا — ہے اب خُلدِ بریں میں بزم آرا
نہیں کچھ اعتبار زیست قدسیؔ — کہ سب کو ایک دن ہے موت آنی
عدم سے آئے جو دارِ فنا میں — گذارے زندگی یاد خدا میں

اولاد سند المجتہدین:۔

۱-مولانا زکی حسن نقوی صاحب متوفی ۲۱رفروری ۱۹۱۹ء۔ ۲-مولانا ولی حسن نقوی صاحب متوفی ۲۹/مارچ ۱۹۱۹ء۔ ۳-مولانا صفی حسن نقوی صاحب متوفی ۲۰/جولائی ۱۹۱۸ء۔ ۴-مولانا رضی حسن نقوی صاحب۔ ۵-مولانا نوروز حسن نقوی صاحب۔

تصانیف سند المجتہدین:۔

۱-ترجمہ وشرح جوشن صغیر (مطبوعہ۔ اردو)۔ ۲-دلائل السنیۃ فی اجوبۃ المسائل السنیۃ (مطبوعہ۔اردو)۔ ۳-اسرار الشیعہ (اردو۔ غیر مطبوعہ)۔ ۴-تحقیق الاذان (غیر مطبوعہ)۔ ۵-سہم صائب (مطبوعہ۔فارسی)۔ ۶-ہدیۂ حسینیہ (اردو۔ مطبوعہ)۔ ۷-اظہار التجویز (مطبوعہ۔اردو)۔ ۸-''منور البصیر'' (عربی)۔ ۹-ید بیضاء (غیر مطبوعہ)۔ ۱۰-ازالۂ اوہام (غیر مطبوعہ)۔

انیس آنوحہ، دعبلِ ہند مولانا سید فرزند حسین ذاخرؔ اجتہادی

خطیب اعظم کے والد ماجد مولوی جناب وارث حسین نقوی کی پہلی شادی رکن خانوادۂ اجتہاد نواب مولانا سید اصغر حسین فاخرؔ کی بہن سے ہوئی تھی جن سے صرف مولانا فرزند حسین ذاخرؔ المعروف بہ اچھن صاحب ۱۲۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تاریخی نام ''نظیر حسین'' ہے۔ آپ صرف ڈیڑھ سال کے تھے کہ آپ کی والدہ کا انتقال ہوگیا جس کی وجہ سے آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے ماموں حضرت فاخرؔ نے اپنے ذمہ لے لی۔ آپ کا شمار لکھنؤ کے چند بڑے باکمال شعراء میں ہوتا تھا۔ آپ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری فرماتے تھے۔ مرحوم جہاں اچھے غزل نگار تھے وہیں ممتاز مرثیہ گو بھی تھے۔ رباعی، سلام، نوحہ، مرثیہ، مثنوی اور غزل جیسے اصناف سخن میں خوب طبع آزمائی کی ہے۔ موصوف کے کثیر تعداد میں کلام کے مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ ذاخرؔ اجتہاد صاحب نے ۱۹/جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ مطابق ۲۱/اکتوبر ۱۹۳۲ء کو لکھنؤ میں انتقال فرمایا اور حسینیۂ حضرت غفران مآبؒ میں مدفون ہوئے۔ دعبل ہند نے یادگار کی صورت میں مراثی، سلام، مثنوی اور غزلوں کے مجموعوں کے علاوہ لسان الشعراء مولانا اولاد حسین نقوی شاعرؔ اجتہادی اور حسینی شاعر علامہ فضل نقوی جیسے نامور فرزند بھی چھوڑے۔

نمونہ کلام

جب انتہائے شام مصیبت گذر گئی	بیتابیوں کی ملک عدم تک خبر گئی
ٹھنڈی ہوا سے یوں تپ فرقت اتر گئی	جو دل کی آگ تھی وہ چراغوں کے سر گئی
حدت جگر کی لعلِ سرتاج ہوگئی	شعلے کو کوہِ طور پہ معراج ہو گئی

شمشیر الگ ہوگئی ہے ذلتیں دے کے	گرتے ہیں جو نامرد تو سائے کو بھی لے کے
مضطر ہیں اگر اہل جہاں اب تو بجا ہے	ہر سمت خبر دینے کو خوں دوڑ رہا ہے
پانی ہوئے جاتے ہیں دل آہوں کے اثر سے	آواز کا دم بند ہوا جاتا ہے ڈر سے

انگشت شعلہ اول شب برمحل اٹھی
اتنا دھواں بڑھا کہ ہر اک شمع جل اٹھی

ہیں اختیار میں جو قدم باد پا کے ہیں
باگیں نہیں ہیں ہاتھ میں دامن ہوا کے ہیں

نور اپنی حد سے بڑھ جو نہ سکتا تھا داغ کا
کانپ اٹھتا تھا زمیں پہ اندھیرا چراغ کا

لو شمع کی تھی عہد کی تجدید کے لئے
انگلی اٹھی تھی کلمۂ توحید کے لئے

وا چشم شوق ایک کی ہے ذکر جام سے
کھولے ہوئے ہے منہ کوئی پانی کے نام سے

کھودی ہیں مچھلیوں نے امیدیں حیات کی
تلواریں ڈالے دیتی ہیں موجیں فرات کی

بدلا ہوا تپش سے ہے صحرا کا روپ بھی
بے دم پڑی ہوئی ہے ترائی میں دھوپ بھی

یہ انتہا ہے کہ تقدیر سے بگڑتا ہے
بھڑک کے آگ کا شعلہ ہوا سے لڑتا ہے

جلوہ آنکھوں میں نہ یاد اس دل شیدائی میں
تم کو کس کس نے نہ ڈھونڈا شب تنہائی میں

شمع روشن نہ بجھاتا کبھی شام وعدہ
اتنی ہی عقل جو ہوتی ترے سودائی میں

اب کہاں باقی زمانہ جس کو کہتا تھا شباب
یاد اتنا ہے کہ آئی تھی اک انگڑائی مجھے

طور کے جلووں کا حد قبر سے آغاز تھا
دو قدم آگے اگر بڑھتا حریم ناز تھا

اس شکل و شمائل کا زمانے میں کوئی تھا
اتنا تو بتا دیتی ہے تصویر ہماری

مری پتلی کو کب گردش ہے اشکوں کی روانی میں
خدا کی شان پڑتا ہے بھنور اک بوند پانی میں

صیاد کے بتائے ہوئے دن گنا کیا
آئی بھی اور فصل گئی بھی بہار کی

گویا کہیں زباں کہیں نطق زباں نہ تھا
انساں کی بود و باش میں جھگڑا کہاں نہ تھا

تھی زلفِ منتشر مرے دل کا دھواں نہ تھا
طول شب فراق یہاں تھا وہاں نہ تھا

شام فراق آنکھ میں روشن سماں نہ تھا
شیشے میں گھومتا تھا دھواں آسماں نہ تھا

لوح جبیں پہ تھا تپش موت سے عرق
زخم جگر میں آگ لگی تھی دھواں نہ تھا

تو نے مکاں وہ اپنا ازل سے کیا پسند
جس قلب میں زمین نہ تھی آسماں نہ تھا

لرزاں زمیں پہ شمع کا شعلہ، فلک پہ برق
ملتے ہوئے دلوں سے تزلزل کہاں نہ تھا

محفل کی شمع، داغ جگر، قبر کا چراغ
سوز تپ فراق کا شعلہ کہاں نہ تھا

دعبل ہند مولانا سید فرزند حسین ذاخر اجتہادی

اجڑا پڑا ہوا ہے نشیمن کی طرح باغ
تھی گُل چمن کی روح مرا آشیاں نہ تھا

تھی عکس رخ سے گل کی سپیدی بسان صبح
پھولوں میں تم چھپے ہوئے تھے باغباں نہ تھا

پھولوں سے جب چھٹا تو گری برق باغ میں
امیدیں جل رہی تھیں مرا آشیاں نہ تھا

بس اتنی قرب مرگ تھی جنگل کی سرگذشت
تھا اس جگہ غبار پسینہ جہاں نہ تھا

یا میرے آتے ہی لحدوں میں سکوت تھا
یا میں عدم میں واقف رمز نہاں نہ تھا

ہے یاد یہ بہار چمن جب لگی تھی آگ
شعلہ بنا ہوا تھا مرا آشیاں نہ تھا

سر بستگیٔ بوئے گلِ تر سوا ترے
کھلتی ہوئی کلی کا کوئی رازداں نہ تھا

بستر کے پھول چاندنی راتیں تھیں نیند تھی
اے قبر تنگ جب میں وہاں تھا یہاں نہ تھا

ذا آخر ہر ایک ذرے پہ رکھتا جبیں نہ کیوں
راہِ عبودیت تھی یہی امتحاں نہ تھا

جہاں سے شمع کو شعلے کی صورت دل کو جنبش ہو
سمجھ لینا وہیں سے سرحد گور غریباں ہے

قریب عصر جفا فوج کی تمام ہوئی
چراغ بجھ گیا زہراؑ کا جب تو شام ہوئی

پسِ حسینؑ یہ کہتا تھا جوش دریا کا
تمام خلق پہ پانی حرام ہو جائے

نزع کے ہنگام یہ کہتا تھا اکبرؑ کا شباب
امتحاں کا وقت ہے اے دل تڑپنا چھوڑ دے

شبیر نہ بھولے گی کسی عہد میں دنیا
ہر ملک میں ہر قوم تمہیں یاد کرے گی

خاک آنے نہ دی رن میں شہیدوں کے تنوں پر
لاشوں کو چھپائے ہوئے دامن تھا ہوا کا

رن میں علی اصغر کی لحد دھوپ میں پاکر
ماں بالوں کا سایہ کئے تربت پہ کھڑی ہے

اک شمع لئے کہتی ہے یہ ماں شب عاشور
اکبر ابھی آرام کرو رات بڑی ہے

شہ حال پسر پوچھتے ہیں غش میں ہیں اکبر
کہتی ہے کھٹک درد کلیجے میں سوا ہے

آواز فرات آتی ہے اب بھی یہ برابر
ساحل پہ کسی شیر نے آرام کیا ہے

زینب جو راہ شام میں جاتی تھیں ننگے سر
تھا ساتھ بند آنکھ کئے سر حسین کا

☆☆☆

خطیب اعظم علامہ سید سبط حسن نقوی فاطرؔ طاب مرقدہ

کلیم اہلبیت ملک الناطقین سلطان الواعظین مولانا سید سبط حسن نقوی فاطرؔ صاحب قبلہ دارالعلوم جائس کے محلہ سیدانہ میں اپنے نانا سندالمجتہدین کے گھر ۱۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا اپنی مثنوی ''نقش اول'' میں اپنی ولادت کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

یکے قصبۂ ہست جائس بنام — محل صنادید عالی مقام
ز سادات معمور و آباد ہست — چو سکان خود پاک بنیاد ہست
ہماں جا بہ بزم شہود آمدم — ز کتم عدم در وجود آمدم
ز عنصر ز افلاک و برج سما — بکن رسم تعداد ہر یک جدا

۴ ۹ ۱۲ ھ

ز ہر اسم ترتیب ملحوظ دار — کہ سال ولادت شود آشکار
عطا پاش شد خالق خافقین — فزوں شد بما الفت والدین
بآغوش شاں یافت نشوونما — تن زار من ''ربِّ فارحمھما''

نوٹ:۔ عنصر چار ہیں، افلاک نو اور بروج بارہ یوں ۱۲۹۴ھ پیدا ہوئے۔

مولوی وارث حسین نقوی نصیر آبادی نے پہلی بیوی یعنی مادر عالی قدر ذاخرؔ اجتہادی کی رحلت کے بعد سندالمجتہدین کی دختر نیک اختر سے نکاح کیا جن سے تین فرزند خطیب اعظم، علامہ ظفر مہدی گہرؔ اور مولانا کامل حسین کاملؔ متولد ہوئے۔ گہرؔ مرحوم اپنی کتاب ''خطیب اعظم'' میں راقم ہیں کہ: ''والدۂ محترمہ معظمہ اعلی اللہ مقامھا سرزمین جائس کے مشہور عالم دین و مجتہد بے مثیل حضرت سندالمجتہدین علامۂ علی الاطلاق مولانا سید علی حسن صاحب قبلہ مجتہد طاب ثراہ کی صاحبزادی تھیں تمام وہ اخلاق جمیلہ اور عادات حمیدہ ان میں موجود تھے جو ایک مجتہد بے نفس کی صاحبزادی میں ہونے چاہئیں۔ اور نانا جان مرحوم (اپنے باپ) کی طرح شیفتۂ عزائے سید الشہداءؑ تھیں۔ عزائے مظلوم کی عظمت اور اس کا احساس اہمیت میری نانیہال

خطیب اعظم شمس العلماء علامہ سید سبط حسن فاطر جائسی

کا مخصوص حصہ تھا۔ خود مرحومہ ذاکرۂ سید الشہداء تھیں اور نثر و نظم دونوں طریقوں سے ذکر مظلومؑ فرمایا کرتی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہفتم محرم سے وہ پانی پینا ترک کر دیتی تھیں اور غذا جو نہایت بدذائقہ ہو صرف ایک وقت نوش کیا کرتی تھیں اور یہ ان کا معمول زندگی بھر رہا۔

روزانہ بعدِ نماز صبح اپنے بچوں کو پاس بٹھا کے ذکر امام کرتیں اور زار و قطار روتیں، اس کے بعد مذہبی باتیں، اسلامی تاریخ، ذکر جنت و نار، عذاب و ثواب، تذکرۂ جزا و سزا فرماتیں۔ یہ ہم لوگوں کا وہ پہلا مدرسہ تھا جہاں دینی تعلیم دی گئی اور جن باتوں سے ہم لوگ بذریعۂ کتاب آشنا ہونے والے تھے، بہت پہلے روشناس کر دیئے گئے، غفرھا اللہ۔

زیارت عتبات عالیات سے دو مرتبہ مشرف ہو چکی تھیں، مشہد مقدس ایک بار تشریف لے گئیں۔ ۱۹؍ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ کو بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا اور وادی السلام ہند حسینیۂ حضرت غفران مآبؒ میں مدفون ہوئیں۔ میں نے ''زائدۃ و ذاکرۃ للحسین علیہ السلام'' سے تاریخ نکالی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ عالم نزع میں انھوں نے بآواز بلند فرمایا ''وہ امام رضاؑ تشریف لائے میری مشکلیں حل ہوئیں'' اور اس جملہ کے ساتھ ہی مرغ روح نے قفس عنصری چھوڑا،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آہ بڑی نعمت چھن گئی!

والدۂ مرحومہ میں یہ تمام اوصاف نتیجہ تھے اس تربیت کا جو نانا جان مرحوم نے انھیں عطا کی تھی، جتنی خدمتیں مرحومہ نے اپنے باپ کی کیں اور جس قدر حضوری کا موقع انھیں ملا اولاد جدّ امجد مرحوم میں کسی ایک کو بھی نہیں مل سکا۔

ارتحال پدر بزرگوار خطیب اعظم

جناب مولوی وارث حسین نقوی صاحب کا شب پنجشنبہ ۱۷؍ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء کو انتقال ہوا اور روز پنجشنبہ تدفین ہوئی۔ ابو البراعۃ لکھتے ہیں کہ: ''برادر مرحوم نے والد مرحوم کی تاریخ وفات نظم فرمائی جو آج تک لوح مزار پر کندہ ہے اور جس کے ایک ہی مصرعے سے سن عیسوی و ہجری دونوں پیدا ہوتے ہیں اس پر قابل تعجب یہ امر ہے کہ آیت قرآنی

تاریخ ہوگئی ہے، ملاحظہ ہو:

ز ثانی الربیعین در ہفدہم	ز سر ظل پاک پدر گشتہ گم
محیط کرم میر وارث حسین	کہ می داشت حبّ علیؑ فرض عین
شب پنجشنبہ چو آمد پدید	چو خورشید زیر زمیں آرمید
بر آں سید طاہر و نیک خوئے	ز دل خوں رواں شدز چشم آبجوئے
سر تربتش زار بگریستم	جہاں ریخت خوناب من کیستم
خدا بندہ ات را نگہدار باش	حسین! از غلامت خبردار باش
چو از قبر چوں نالہ برخاستم	ز قرآن تاریخ او خواستم
رجا داشتم از خدائے قوی	بہ ہجری بر آید سن عیسوی
چو ایں کار بر فکر مشکل فتاد	ز جوش کرم رعد آواز داد
زمن سی یک والف وُنہ صد بگیر	مقدم ز ہجری اخیر از اخیر
بکن قلب اول دریں انقلاب	کہ آخر چو اول بر آید شتاب

بجنّت شد آں سید پیش رو

بگو تلک عقبی الذین اتقوا

۳۱ ۱۳ھ ۱۹۱۳ء

خطیب اعظم رحمہ اللہ جائس سے تحصیل علوم کے لئے لکھنؤ تشریف لائے اور ناظمیہ وسلطانیہ دونوں مدرسوں میں دیگر اساتذۂ کرام کے علاوہ نجم العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ السید نجم الحسن طاب مرقدہٗ اور باقر العلوم آیۃ اللہ العظمیٰ السید محمد باقر طاب ثراہ سے اکتساب علوم وفنون کیا۔ اور پھر ایک وہ دن بھی آیا کہ مرثیہ نگاری میں جو مرتبہ خدائے سخن میر انیسؔ مرحوم کو حاصل تھا خطابت میں وہ مرتبہ خطیب اعظم کو حاصل ہوا۔ موصوف نے اپنی حیات حمیدہ صفات ایک عظیم فقیہ، ادیب، خطیب اور ناقد وشاعر کی حیثیت سے بسر کی۔ جس ذات کو ذاکری سے ایک دن بھی فرصت نہ ملے اس نے کئی درجن عربی، فارسی اور اردو میں علمی وتحقیقی تصانیف بھی چھوڑے۔

آپ نے بے شمار قصیدے، مرثیے، نوحے، مثنویاں، غزلیں، رباعیات اور قطعات تاریخ، عربی، فارسی اور اردو میں تصنیف فرمائے ہیں۔ عربی اور فارسی کا زیادہ تر اور اردو کا بہت تھوڑا سرمایہ جائس میں مولانا ظفر مہدی صاحب گہرؔ کے مکان ''ظفر مسکن'' میں اور ماہرؔ صاحب مرحوم کے پاس تھا مگر اب پتا نہیں کہ وہ علمی خزانہ کہیں ہے بھی کہ نہیں۔

اردو کلام کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اردو زبان میں وہ کہتے ہی تھے دوسروں کے لئے۔ لکھنؤ کے اساتذہ کو اکثر مولانا سے اس بات کو لے کر شکایت رہتی تھی اس لئے کہ مولانا کے عطا کردہ اشعار ادبی نشستوں اور محفلوں میں دوسرے کلاموں پر بھاری پڑ جاتے تھے۔ آپ کی کرم فرمائی نے تو کئی لوگوں کو صاحب دیوان و مجموعہ بنا دیا۔ علامہ نے الفاظ سازی کے ذریعہ زبان و ادب میں مفید اضافے بھی فرمائے ہیں۔ نیز اپنے علم و عمل اور زبان و قلم سے بہت سے امور خیر انجام دیئے انھیں نیک افعال میں سے ایک کام یہ بھی ہے کہ آپ شیعہ کالج لکھنؤ کے چند اہم بانیان میں سے ایک ہیں۔

۲؍مئی ۱۹۳۴ء مطابق ۲۸؍محرم ۱۳۵۴ھ روز پنجشنبہ ۸؍بجے صبح کو آپ نے دار فانی کو خیر باد کہا اور حسینیہ حضرت غفران مآبؒ میں سپرد لحد ہوئے۔

شاید اسی موقع کے لئے علامہ نے یہ شعر کہا تھا:

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

قطعات تاریخ وفات حسرت آیات

ڈپٹی جناب سید احمد علی صاحب خان بہادر (پٹنہ)

ہزار حیف کہ ہندوستاں شدہ خالی — ز ذات بے ہمتا و مقدس و عالی
چہ واعظ تبحر کہ بود عذب بیاں — چہ ذاکر متفرد کہ بود رطب لساں
در یگانہ درج صفا و ناز جہاں — مہ منور برج ذکا و فخر زماں

نہ ثانیش بہ فصاحت نہ در کلام عدیل
نہ ہمسرش بہ بلاغت نہ در کمال مثیل

بطرز عام بگو سال فوت اے غمگیں
مقیم مجلس سبط نبیؐ بخلد بریں

۴ ۵ ۱۳ ھ

جناب یونسؔ زیدپوری صاحب مرحوم

یکتائے عصر سبط حسن اہل علم و فضل
خوش فکر، خوش خصال، خوش اعمال، خوش بیاں

یونسؔ برائے سال وفاتش رقم نمود
عالم، وحید، سبط حسن، خلد آشیاں

۴ ۵ ۱۳ ھ

ابوالبیان مولانا سید اکبر مہدی سلیمؔ جرولی صاحب اعلی اللہ درجتہ

سرتاج فن ذاکری سرخیل دین جعفری
سر جوش جام کوثری مداح سردار جہاں

زینت دہ بزم ادب ذاتش خطیب منتخب
مقبلؔ صفت دعبلؔ لقب، جادو رقم، معجز بیاں

ہمچوں فرزدقؔ محترم، بزم عزا را محتشمؔ
فخر عرب، رشک عجم نازد برو ہندوستاں

مطبوع بزم خاص و عام، خورشیدؔ اوجؔ احترام
سلطان اقلیم کلام، غالبؔ بفوج دشمناں

خوش باطن وہم خوبرو تائید حق ہمراہ او
در بزم وقت گفتگو گوہر فشاں رطب اللساں

علمش ز لطف کردگار دریائے ناپیدہ کنار
فہمش زحب ہشت و چار مانند برق ضوفشاں

مملو ز علمش سینہ اش الفاظ را گنجینہ اش
دل از صفا آئینہ اش صورت کش راز نہاں

صد حیف آں مہرِ کمال ناوقت آمد از زوال
آلودۂ گردِ مِلال ہر اہل ملت بے گماں

حیف آخر ماہ عزا شد آخر روز بقا
در الفت شاہ ہدیٰ بر فرش ماتم داد جاں

در بزم منبر سوگوار ہر اہل ماتم بے قرار
ہمراہ میت سی ہزار نوحہ کناں پیرو جواں

روحش بہ نزد بوترابؑ جسمش بہ مرقد صرفِ خواب
ہم مسکن غفران مآبؒ تا روز محشر میہماں

بنوشت باحال سقیم تاریخ در ہجری سلیمؔ
سبط حسن فرد جہاں در بزم سردار جناں

۴ ۵ ۳ ۱ ھ

نمونۂ کلام

اب کیا چھٹیں گے وہ جو گرفتار ہو گئے — زنداں کے در نصیب سے دیوار ہو گئے

مصر میں کھینچ تو لائی ہے زلیخا کی کشش — حسنِ یوسف کہیں آرائش زنداں نہ بنے

مدتیں گذریں کہ چپ بیٹھا ہوں یادِ دوست میں — جب سے کھو بیٹھا ہوں یاد آتا ہے میرا دل مجھے

طویل عمر اور اس پر یہ اشک باریٔ غم — نہ ختم ہوتا ہے پانی نہ جام بھرتا ہے

بیچنے لایا ہے قبروں پر چراغ سوز غم — کون لے گا روشنی سویا ہوا بازار ہے

عبرت دہر ہو گیا جب سے چھپا مزار میں — خیر جگہ تو مل گئی دیدۂ اعتبار میں

طور کے مانند جل کر خاک ہونا چاہیے — مرنے والے موت عبرتناک ہونا چاہیے

وصل ہی میں ہجر کا ادراک ہونا چاہیے — صبح سے پہلے گریباں چاک ہونا چاہیے

نمونۂ مراثی

حامل رایتِ افواج سخن دل ہے مرا — حکمراں مملکت نظم میں عامل ہے مرا

ہوں وہ گویا کہ لب نطق بھی قائل ہے مرا — ہوں وہ دریا کہ نہاں مجھ سے بھی ساحل ہے مرا

آرزو ہے کہ یم طبع کا دھارا دیکھوں
پہنچوں کوثر کے کنارے تو کنارا دیکھوں

دہر میں کھول دیئے دیدۂ ادراک اس نے — میں تو اک خاک کا پتلا تھا کیا پاک اس نے

آب دریا بھی قسم دھوپ کی کھائے ہوئے تھا — پپڑیاں کف لبِ ساحل پہ جمائے ہوئے تھا

کیا زہر تھا غضب کا نسیم بہار میں — سبزی گلے تک آگئی تھی جسمِ خار میں

دہر کل قابل تنسیخ نظر آتا تھا — کرۂ ارض پہ مریخ نظر آتا تھا

کیوں دھوپ میں خنک نہ ہوں حلقے رکاب کے — میزاں میں آچکے ہیں قدم آفتاب کے

اولاد خطیب اعظمؒ

۱۔سید محمد حسن سالکؔ مرحوم۔ ۲۔سید مجتبیٰ حسن طالبؔ مرحوم۔ ۳۔سید باسط حسن ماہرؔ

مرحوم۔ ۴۔سید منظر حسن منظرؔ مرحوم۔ ۵۔سید محمد موسیٰ کلیمؔ مرحوم۔ ۶۔سید وارث حسن ساحرؔ۔

تصانیف

۱۔''کشکول حسن'' (عربی۔ غیر مطبوعہ)۔ ۲۔''تذکرۃ للعالمین'' (عربی۔ غیر مطبوعہ)۔ ۳۔''مسافر'' (عربی، فارسی اور اردو میں۔غیر مطبوعہ)۔ ۴۔المجلس الاول (عربی۔ غیر مطبوعہ)۔ ۵۔ترجمۂ منظوم دیوان ابوطالب (اردو۔غیر مطبوعہ)۔ ۶۔ترجمۂ منظوم دیوان حضرت علیؑ (اردو۔ غیر مطبوعہ)۔ ۷۔''علماء اعلام کا تذکرہ اور ان کی باتیں'' (غیر مطبوعہ۔اردو)۔ ۸۔''سوانح عمری'' (حالات حضرت عمر۔غیر مطبوعہ)۔ ۹۔''شیعہ اور سنّی کے مناظرے پر تحقیقی نظر'' (مطبوعہ۔ اردو)۔ ۱۰۔ہدم الاساس فی حدیث القرطاس (اردو۔ مطبوعہ)۔ ۱۱۔تقویم الاود ومداوۃ العمد (عربی۔مطبوعہ)۔ ۱۲۔خطاب فاضل ترجمۂ میزان عادل (اردو۔مطبوعہ)۔ ۱۳۔''سچا موتی'' ترجمۂ رسالہ ''دُرِ ثمین'' علامہ سید محمد محسن عاملی (اردو۔مطبوعہ)۔ ۱۴۔''حدیث غدیر کی سرگذشت'' (مطبوعہ۔اردو)۔ ۱۵۔''اصول دین'' (اردو۔مطبوعہ)۔ ۱۶۔''ترجمۂ محیط الدائرۃ'' (عروض۔مطبوعہ)۔ ۱۷۔''معراج الکلام'' (دس مجلسیں۔مطبوعہ)۔ ۱۸۔''الکاظمؑ'' سوانح امام ہفتمؑ (اردو۔مطبوعہ)۔ ۱۹۔''فریاد'' (مجموعۂ نوحہ جات اردو۔مطبوعہ) وغیرہ

☆☆☆

ابوالبراعۃ علامہ سید ظفر مہدی نقوی گہرؔ جائسی مرحوم

مولانا بلدۃ العلماء جائس میں پیدا ہوئے۔ کافی تعلیم اپنے جد امجد سند المجتہدین سے حاصل کی پھر لکھنؤ تشریف لائے اور جامعہ ناظمیہ میں داخلہ لیا جہاں سے فاضل کرنے کے بعد متعدد یونیورسٹیوں کے امتحانات دیئے اور ہر امتحان میں امتیازی شان سے کامیابی حاصل کی۔ عربی، فارسی اور اردو پر عبور تھا ساتھ ہی انگریزی اور ہندی سے بھی آگاہ تھے اور دونوں زبانوں پر گہری نظر تھی۔

پڑھنے سے انتہائی مشابہ ہے اور آپ کے ذہن میں تمام وہ نکات ومضامین راسخ بھی ہیں جو مولانا مرحوم نے بیان فرمائے تھے اور آپ کی طبیعت میں خود پیدا وار اور نکات ومطالب کے استنباط کرنے کا ملکہ بھی بدرجہ اتم ہے۔ زبان شگفتہ ہے، تقریر میں حسن ولطافت ہے۔ طبیعت میں شاعرانہ تخئیل ہے، ان سب کی بنا پر آپ اس وقت خطیب اعظم مولانا سبط حسن صاحب قبلہ کے صحیح جانشین وقائم مقام سمجھے جاسکتے ہیں۔ افراد ملت کو چاہیئے کہ وہ مولانا کو مجبور کریں اور مولانا کو چاہیئے کہ وہ خود توجہ فرمائیں کہ مولانا مرحوم کے انتقال کی وجہ سے جو نقصان عزاداری حضرت سید الشہداء کو پہنچا ہے اس کی ایک حدتک تلافی مولانا کے بیانات سے ہوجائے۔''

صاحب مطلع انوار ترقیم فرماتے ہیں: ''مولانا ظفر مہدی صاحب نے متداول علوم کی تحصیل کے بعد تحریر وتقریر کا سلسلہ شروع کیا اور کرسچین اسکول لکھنؤ میں عربی کے استاد رہے۔ آپ کی ذہانت وذکاوت نے ادب وشعر کے جوہر چمکائے۔ ماہنامہ ''سہیل یمن'' لکھنؤ نے آپ کی ادارت میں مذہبی جرائد کو علمی وادبی اسلوب جدید عطا کیا۔ آپ کے فارسی، عربی اور اردو اشعار یکجا نہیں ہوسکے نہ دوسرے تحقیقی اور علمی تالیفات مرتب ہوئے۔ نہج البلاغہ کی اردو شرح ''سلسبیل فصاحت'' کے نام سے شروع کی تھی لیکن اس کی تکمیل سے پہلے راہیٔ جنت ہوئے۔ جناب راجہ صاحب محمود آباد نے ''سلسبیل فصاحت'' کا پہلا حصہ جس نفاست واہتمام سے چھپوایا ہے اس کی نظیر میری نظر سے نہیں گذری۔''

مولانا گہرؔ کا یہ علمی کارنامہ جب زیر طبع تھا تب ہی نظامی پریس کے مالک نے ''خمخانہ'' نامی لسان القوم مولانا سید علی نقی صفیؔ لکھنوی مرحوم کی طویل نظم اطلاع کی غرض سے شائع کی تھی۔ نظم کے چند شعر پیش ہیں:

صفیؔ بعد قرآں کے جس کی فضیلت — مسلم ہے، وہ کیا ہے؟ نہج البلاغت
مواعظ کا یہ بیش قیمت خزانہ — دُرِ بے بہا جس کا اک ایک دانہ
نظامی پریس میں ہے زیر طباعت — مع ترجمہ ہو رہی ہے اشاعت

حواشی میں توضیح بھی جلوہ گر ہے جو کحل البصر بہر کوتہ نظر ہے
مترجم خرد ور، ادیب یگانہ ادب جس کا مانے ہوئے اک زمانہ
جب اردو زباں میں کرے ترجمانی دکھائے اثر کیوں نہ شیوا بیانی
مدیر ''سہیل یمن'' کی عبارت فدا تازہ پھولوں کی اس پر نضارت
جلو گیر مہدی، نشان ظفر ہے نمِ رشحۂ کلک موجِ گہر ہے
کتابت جواد جواہر رقم کی جو عینی شہادت ہے زور قلم کی
نظر، حسنِ خط متصل کھینچتا ہے اُدھر ترجمہ بڑھ کے دل کھینچتا ہے
کشاکش ہے دوہری غرض ہر نفس میں دلِ ناتواں دو حسینوں کے بس میں
نظامی پرس کا نیا کارنامہ ہوا بینش افزا با عجاز خامہ

مولانا نے سینٹیر اسکول میں عربی اور فارسی کی تدریس کا کام کچھ ہی دنوں کیا تھا کہ مہاراجہ محمود آباد کی فضیلت بیں نگاہیں آپ پر پڑیں اور انھوں نے ابوالبراعہ کو راجہ محمد امیر احمد خاں بہادر اور مہاراجکمار محمد امیر حیدر خان بہادر کی اتالیقی کے لئے منتخب فرمالیا۔ دونوں شاگرد استاد کے تن، من، دھن سے فدائی تھے۔ مولانا پوری ریاست میں ایک راجہ کی طرح مانے جاتے تھے۔ راجہ محمد امیر احمد خان بہادر والیٔ ریاست محمود آباد اپنے ایک مقطع میں ابوالبراعہ سے شرف تلمذ کا اظہار یوں کرتے ہیں:

بحرؔ کے اشعار میں ہے موتیوں کی آب وتاب کیوں نہ ہو استاد جب مثلِ گہرؔ رکھتے ہیں ہم

ابوالبراعہ ''سلسبیل فصاحت'' کی ایک جلد لکھ چکے تھے اور دوسری جلد اختتام کو تھی کہ ۲ رمئی ۱۹۳۵ء کو کلیم اہلبیت کا انتقال ہوگیا۔ مولانا سارے کام چھوڑ کر ''خطیب اعظم'' نام کا تذکرہ لکھنے میں مصروف ہوگئے اور اخوت کا حق ادا کر دیا۔ پہلی جلد چارسو صفحات کی ہے اور چھپ چکی ہے اور دوسری جلد جو مولانا کی جلالت علمی، عظمت خطابت، ندرت تحریر، رفعت شعری اور الفاظ سازی سے متعلق تھی جو اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ ابھی اس سوانح نویسی کے امر اہم سے مولانا نے فرصت ہی پائی تھی کہ علیل ہوگئے نو دس سال مسلسل علاج ہوا۔ راجہ اور

راجکمار نے استاد پر دولت کے دریا بہا دیئے۔ جب لکھنؤ کے معالجین سے فائدہ نہ ہوا تو ۱۹۴۳ء میں مولانا کلکتہ تشریف لے گئے مگر اس شان سے کہ فرسٹ کلاس کے دو ڈبّے رزرو کئے گئے جس میں ماتی جائسی اور مولانا کامل حسین کے علاوہ بہت سے علماء، ادباء اور رؤسا ساتھ گئے۔ وہاں بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ لکھنؤ واپس آئے اور جائس (جس سے مولانا کو بے حد محبت تھی) جا کے قیام فرما ہوئے۔ جہاں ادباء و رؤساء لکھنؤ سے جا کے تیمارداری میں مصروف رہے اور حکیم صاحب عالم ہر ہفتے علاج کے لئے جائس جاتے رہے۔ رحلت سے کچھ دنوں پہلے مولانا پھر لکھنؤ آ گئے اور محمود آباد ہاؤس قیصر باغ میں آرام فرما ہوئے۔ علماء، ادباء، شعراء اور رؤساء ہر وقت مزاج پرسی کے لئے جمع رہتے اور تیمارداری تو حکماء ہی کا کام تھا مگر

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

آخر کار "عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا" یعنی خورشید فکر و تحقیق ۱۹۴۸ء میں مغرب اجل میں پوشیدہ ہو گیا۔ جسد خاکی کو غسل دریائے گومتی پر دیا گیا اور امام باڑہ غفران مآبؒ میں میت سونپ دی گئی اور معینہ مدت کے بعد میت کربلائے معلّٰی بھیج دی گئی۔

تصانیف ابوالبراعۃ

۱۔ "سلسبیل فصاحت" (ترجمہ و شرح نہج البلاغہ حصہ اول)۔ ۲۔ "اللہ اللہ" (مسئلہ توحید۔ مطبوعہ۔ اردو)۔ ۳۔ "ترجمہ و شرح حدیث مفضل" (غیر مطبوعہ۔ اردو)۔ ۴۔ "ابوطالبؑ" (مطبوعہ۔ اردو)۔ ۵۔ "قاتلان حسین" (مطبوعہ۔ اردو)۔ ۶۔ "ترجمہ و شرح دعائے مشلول" (مطبوعہ۔ اردو)۔ ۷۔ "خطیب اعظم" (مطبوعہ۔ اردو۔ سوانح کلیم اہلبیت)۔ ۸۔ "میکدۂ اسلام" (اردو۔ مطبوعہ)۔ اور بہت سی غیر مطبوعہ کتابیں مع دواوین عربی و فارسی و اردو۔

نمونۂ کلام

عاشور کو راز وفا آخر پئے عالم کھلا زلف لوائے شاہ کا نالوں سے پیچ و خم کھلا

خیمہ میں بہرِ شاہِ دیں اک اور باب غم کھلا
زینبؑ بڑھیں پردہ اٹھا نکلا علم پرچم کھلا

شور فغاں جانے لگا خیمے سے چرخ پیر تک
اس رنج کا پہنچا اثر صبر دل شبیرؑ تک

دامان فردوس بریں دامان صحرا بن گیا
غازی کے ہاتھوں میں علم تصویر طوبیٰ بن گیا

بہرِ عبادات ملک پرچم مصلّی بن گیا
لہریں پھر ہرے نے جو لیں لہرا کے دریا بن گیا

نکلا تھا حیدر کا پسر رایت کو لے کر دوش پر
بحرِ عطش تھا جوش میں بہتا تھا کوثر دوش پر

نمونہ غزل

ضد پڑ گئی تھی ورنہ ہماری خطا نہ تھی
ہم خاک ہو گئے پہ نہ نکلا غبار دوست

یہ مشق ناز کب تک دل میں کیا ہے
اب آخر ہے ترے بسمل میں کیا ہے

خموشی کیوں ہے عرض مدعا پر؛
کہو تو کچھ تمہارے دل میں کیا ہے

غم موجود سے چھوٹوں تو دیکھوں
فضائے دہر مستقبل میں کیا ہے

لہو کی بوند ہے یا نوک پیکاں
کھٹک سی یہ ہمارے دل میں کیا ہے

گھر کون آئے تیرے غم کدہ میں
سوا رونے کے اس محفل میں کیا ہے

کمی ہونے لگی آخر کو اشکوں کی روانی میں
کسی کے جلوۂ رخ نے لگا دی آگ پانی میں

اللہ رے صبر الفت ہونا پڑا ہے پانی
اس قلب منقلب کو جو خون ہو چکا تھا

اللہ آج کیسی سونی اداسیاں ہیں
کل رات بھر یہیں پر کوئی کراہتا تھا

حالت گھر کی کیوں ہے بگڑی ہوئی نہ پوچھو
دیکھا ہے آج اس کو جس کو کبھی سنا تھا

میں آپے میں نہیں اور مشغلہ جاتا نہیں تیرا
فغاں کرنے سے اے دل جی بھی گھبراتا نہیں تیرا

خدا ہی جانے اے دل کن نگاہوں کا یہ زخمی ہے
کہ عالم کروٹوں پر کروٹیں اب تک بدلتا ہے

کیا مقدر ہے دوا سے درد پیدا ہو گیا
حسن اتنا بڑھ گیا آخر کو پردا ہو گیا

ہنسنے والے مجھ کو روتا دیکھ کر گرد آ گئے
پاؤں رکھتے ہی زمیں پہ میں تماشا ہو گیا

چاند نے راتوں کو کی صورت کشئ زلف دوست
کچھ سواد آیا مگر ایسا کہ دھبا ہوگیا

میں کیا بتاؤں کہاں داغ ہے کہاں دل ہے
جسے سمجھتے ہو تم داغ بس یہیں دل تھا

کیوں ساکنان دہر جہاں میں سوائے یاس
ایسی بھی کوئی شے ہے تمنا کہیں جسے

ظالم سزائے الفت مجبور دے مگر
ایسا نہ کر کہ لوگ تماشا کہیں جسے

رہین اضطراب وغم کش شبہائے فرقت ہوں
میں وقف انتظار جلوۂ صبح قیامت ہوں

بٹھانا فرض سمجھے غیر کا تو کیوں اٹھاتے ہو
اس احساں کا نتیجہ میں یونہی مرہون منت ہوں

تمہیں قدر محبت کچھ نہیں گر جھوٹ کہتا ہوں
تمہاری طرح میں بھی دشمن ارباب الفت ہوں

تم فقط ایک درد ہی سمجھے
یاں خدا جانے دل میں کیا کیا ہے

چلا میں ہو کے صدقے اس ادائے چارہ سازی پر
مرا دم توڑنا اور ان کا جینے کی دعا دینا

اے وہ تمہارا ایک لفظ جان دل حزیں سہی
کچھ تو کہو جواب میں ہاں نہ سہی نہیں سہی

حسرت روز عید ہے وصل ہو یا وصال ہو
کوئی مرے گلے ملے تم نہیں تیغ کیں سہی

چمن میں آگ کیسی ہو نہ ہو میرا نشیمن ہے
قفس سے سن رہا تھا میں کوئی کہتا تھا جلنے دے

مری آہوں سے دل کا داغ رہ رہ کر دہکتا ہے
ہوا یہ کیسی چلتی ہے نہ بجھنے دے نہ جلنے دے

یہ کیا ہوا کہ شام کے ہوتے ہی بجھ گیا
دل میں ابھی تو جلوۂ صبح امید تھا

آخر وہی ہوا کہ وہ ناشاد مرگیا
پہلے ہی اس مریض سے میں ناامید تھا

غیر سے ذکر میری حالت کے
داغ ہیں دل پہ اس مروت کے

دل سنبھالے ترے کوچے سے چلا آتا ہوں
ہے ابھی تک یہ گماں سینے میں دل باقی ہے

آتی ہے سوئے قفس آج، خدا خیر کرے
آشیاں جس سے جلا تھا یہ وہی بجلی ہے

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ، یہ فرماتے ہیں
سچ کہو؟ میری قسم! درد جگر اب بھی ہے

پوچھتے ہیں گھرآچھے تو ہو، کیوں چپ چپ ہو
میں سمجھتا ہوں اک انداز جفا یہ بھی ہے

میرا قصۂ الفت سر بہ سر غلط لیکن
تم کو مجھ سے الفت تھی تم نے سن لیا ہوتا

وہ خوش ہونگے کہ میرے غم میں ہونگے
خدا جانے وہ کس عالم میں ہونگے

نہ پوچھو مرنے والوں کے ٹھکانے
نئی دنیا نئے عالم میں ہونگے

وہ چپ چپ ہیں مگر کہتی ہے صورت
پریشاں ہیں کسی کے غم میں ہونگے

نہ کھینچو تیر سینے سے ہمارے
ابھی ارماں دل پر غم میں ہونگے

نہ کیوں اشکوں سے آنکھیں جگمگائیں
نگینے حلقۂ خاتم میں ہونگے

گہرؔ سے شام غم ملنے نہ جاؤ
دل بیتاب کے ماتم میں ہونگے

ہمیں تو اہل جہاں سے گزند ہوتی ہے
وہ کون ہیں جنھیں دنیا پسند ہوتی ہے

ہوا ہے حکم کہ قیدی نہ آہ سرد بھریں
ہوا بھی آج اسیروں پہ بند ہوتی ہے

ہوا پہ زلف اڑی ہے خدا فلک کو بچائے
جو پہلے دام تھی اب وہ کمند ہوتی ہے

ہے وقت نزع الگ ان کا انتظار الگ
نہ آنکھ کھلتی ہے میری نہ بند ہوتی ہے

بقا پر ابتدا ہی سے بنائے واپسیں رکھ دی
جہاں دل بھر جگہ پائی اساس غم وہیں رکھ دی

سوائے زور وحشت ہاتھ میں طاقت کہاں اتنی
اُڑائی خاک جب ہم نے تو گردوں پر زمیں رکھ دی

بقا کے پاتے ہی دل کا سفینہ ڈگمگا اُٹھا
سنبھلنے کے لئے فطرت نے اک غم کی زمیں رکھ دی

نہ رکتا گریۂ شبنم کبھی بھی شام غم لیکن
سحر نے چشم گریان فلک پر آستیں رکھ دی

ترے دھوکے میں بندہ بن گیا سارے زمانے کا
نہیں معلوم کن کن آستانوں پر جبیں رکھ دی

☆☆☆

حسان الہند مولانا سید کامل حسین کاملؔ مرحوم

حسان الہند بلدۃ الشعراء جائس کے محلہ سیدانہ میں علامۂ جائسی کے مکان میں ۱۳۱۸ھ میں متولد ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو لکھنؤ آ گئے۔ ماہر لکھنوی الجائسی اپنی کتاب ”سالک لکھنوی“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: آپ ابوالبراعۃ سے چھوٹے تھے۔ عربی فارسی تعلیم ابتدائی طور پر گھر ہی میں ہوئی پھر جامعہ ناظمیہ میں داخلہ کرا دیا گیا۔ ان کا شمار جامعہ ناظمیہ کے ذہین اور طباع طلبا میں ہونے

لگا۔ بلا کے ذہن اور غضب کے بذلہ سنج تھے طبیعت میں نکتہ رسی اور دور بینی قدرت نے ان کی فطرت وطینت میں کوٹ کوٹ کر بھردی تھی، مزاج میں حس اورادراک کی بے پناہ زیادتی تھی۔

عربی تعلیم اختتام پذیر نہ ہوئی کیوں کہ طبیعت میں شاعرانہ کیفیت زیادہ تھی، فارسی سے دلچسپی اور لگاؤ رہا، ان کی فارسی تعلیم اختتام پذیر ہوئی اور آخرکار وہ فارسی زبان کے ماہر کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے۔

اللہ نے حافظہ غضب کا دیا تھا، حافظے کے ساتھ ذوق شعری بھی بہت بلند تھا، عربی فارسی اور اردو کے ہزاروں اشعار ان کو یاد تھے۔

۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک میرا قیام رام پور میں رہا۔ اس دوران میں ان سے ہر وقت قریب رہا۔ جب بھی میں ان کی خدمت میں اپنی کوئی غزل پیش کرتا تو کسی غنیمت شعر پر مسکراتے اور فرماتے: دیکھو تم نے یہ شعر تو اچھا کہا ہے لیکن اسی مضمون کو انوریؔ نے یوں کہا ہے اور نظیریؔ نے یوں، اور آتشؔ نے یوں کہا ہے میاں غزل کو پھاڑو اور پھینک دو، نقش ثانی نقش اول سے اگر اچھا نہیں ہے تو بے سود ہے اور سعی لاحاصل ہے۔

وہ اردو کے ہر اچھے شعر پر فارسی کا کوئی نہ کوئی شعر فوراً اور برجستہ پڑھ دیا کرتے، شعر سنانے والے کو شرمندگی اور خفت میں مبتلا کر دیا کرتے۔

جائس میں ایک صاحب ایک مرثیہ آٹھویں محرم کو پڑھا کرتے تھے۔ یہ مرثیہ میری دادی کو بے حد پسند تھا کئی بار ان صاحب سے نقل حاصل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ ہمیشہ ٹال دیا کرتے اور نقل نہ دیتے۔

حسان الہند کو معلوم ہوا۔ انھوں نے اپنی والدہ سے وعدہ کیا کہ آٹھ محرم کو مرثیہ آجائے گا۔ آٹھویں محرم آئی، حسان الہند مجلس میں پہنچے، مرثیہ سنتے رہے، مجلس ختم ہوئی، یہ گھر آئے اور پورا مرثیہ لکھ کر دے دیا۔

حسان الہند کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ان کی علمی استعداد کو ان کی طباع مزاجی اور رسائی ذہن نے بہت بلند کر دیا تھا۔ ہر علمی موضوع پر وہ ماہرانہ انداز سے گفتگو کرتے، فلسفہ،

منطق، علم کلام، معقولات کے ساتھ نجوم اور جوتش میں بھی ان کو بڑا دست رس تھا۔ یہی نہیں بلکہ علم مجلس میں بھی وہ خاص ملکہ رکھتے تھے۔

ان کی شاعری صرف زبان و بیان، محاورات واصطلاحات، استعارہ ومحاکات وغیرہ کے لحاظ سے بھرپور تھی۔ کلام پر غزلیت کی زیادہ رنگ آمیزی تھی۔

انھوں نے اصناف شعر وسخن میں ہر صنف پر طبع آزمائی کی۔ غزل، قصیدہ، مخمس، رباعی، نظم وغیرہ میں انھوں نے اچھا خاصہ کلام چھوڑا۔

اردو کے ساتھ ساتھ فارسی کلام بھی ان کا خاصہ ہے۔ فارسی کلام میں بعض قصائد تمام کے تمام منقوط اور غیر منقوط ہیں۔

حسان الہند ۱۹۳۲ء کے لگ بھگ رام پور اسٹیٹ سے وابستہ ہو گئے۔ کرنل پرنس الحاج نواب جعفر علی خاں بہادر اثرؔ نے پہلے انھیں مصاحب خاص اور چیف سکریٹری کی حیثیت سے انتخاب کیا اور پھر ان کو اپنا کلام بھی دکھانے لگے اور شاگرد بھی ہو گئے۔

حسان الہند کی زندگی کا تقریباً نصف حصہ اسی وابستگی میں گذرا۔ وہ رام پور میں اتنا قیام پذیر رہے کہ اہل لکھنؤ کو ان سے اور ان کو اہل لکھنؤ سے اجنبیت محسوس ہونے لگی۔ لکھنؤ اور لکھنؤ کا ادبی حلقہ اس عہد کے چند لوگوں سے قطع نظر سب ان کو بھول چکے تھے۔

رام پور میں بھی ان کی زندگی اور ان کی صلاحیتون کی شہرت ایک مخصوص حلقے میں محصور تھی۔ ''خورشید وِلا'' سے ان کو نکلنے کا موقع نہ ملتا۔ ان کے مربی اور ان کے بلند عظمت شاگرد کی بے پناہ محبت ان کو اپنی نگاہ سے دور دیکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

اپنی زندگی کے آخری دور میں، جب وہ قلبی بیماریوں میں مبتلا تھے، تو ان کو تھوڑی بہت آزادی مل گئی تھی۔ وہ ہفتہ عشرہ کے بعد لکھنؤ آجایا کرتے اور ادبی صحبتیں گرم ہوجایا کرتیں۔

۱۳۷۸ھ میں وہ اپنے فارم (موضع پتھر کھیڑہ رام پور) پر تھے، لکھنؤ آنے کی تیاری تھی، سامان سفر گاڑی میں رکھا جا رہا تھا، کہ کھانسی آئی اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انھوں نے آنکھیں بند کرلیں۔

کچھ وقفے کے بعد میت رام پور لائی گئی اور رام پور کے مشہور قبرستان، ''مقابر المومنین''میں مدفون ہوئی۔

حسان الہند جس طرح اچھا شعر کہتے اسی طرح ان کا طرز ادا بھی بہت دلدوز اور دلنشیں تھا۔ آواز میں غضب کا درد تھا۔ ان کے چہرے کے نشیب وفراز شعر کے معانی اور مطالب بڑی آسانی سے سامعین کے دل ودماغ تک پہنچادیا کرتے۔

شیعہ کالج میں طرحی مشاعرہ ہوا، جس میں اس وقت کے تمام مشاہیر شعراء ودانشور شریک تھے۔ حسان الہند کی طرحی غزل اس مشاعرے میں حاصل مشاعرہ رہی۔ ان کی غزل نے مشاعرے میں سمندر کے ''جزرومد'' کی سی کیفیت پیدا کردی۔

سید المتکلمین مولانا سید احمد طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں: ''فضائل مآب مَلَکی صفات محترمی مکرمی اخی وخلیلی فرزدق ہند سُلالۃ المصطفین مولوی سید کامل حسین صاحب المتخلص بہ کاملؔ کے قصائد کا تعلق ان دامنوں سے ہے جن کی ہوا روح پرور اور تواں بخش ہے۔''

غزلیات کے لئے میں یہ دعویٰ نہیں کرتا۔ مگر موصوف کے قصائد کے لئے وہ شعوری نگاہ چاہئے جو دواوین عجم اور اردو کے محیر العقول دواوین کے آئینوں میں ڈوبتی اور اُبھرتی ہو۔ اور میں غریق بے سوادی، موصوف کے اشعار غزلیہ بھی معیاری نظر سے کچھ اونچے ہی ہوتے ہیں۔ اور نُدرت الفاظ، اچھوتی تخئیلیں، انھیں کا حصہ ہوتی ہیں۔ لیکن میدان غزل وسیع ہے۔ وہاں کا گرا ہوا پناہ پا سکتا ہے۔ مگر قصائد مدحیہ خصوصیت سے صدیقۂ طاہرہؑ کی مدح وہ مشکل راستہ ہے کہ پل صراط سے باریک ودقیق۔ ہر سالک اس میں اچھوتے اور انوکھے انداز سے نہیں چل سکتا۔ مدح ائمہ ایک ایسی صراطِ مستقیم ہے جس پر چلنا بہت سہل بھی ہے اور مشکل بھی۔ جو ممدوح خدا اور رسولؐ ہو اس کی مدح میں اگر مشکل کشا خود مشکل کشائی نہ فرمائیں تو عقدہ کشائی مشکل ہے۔ جہاں حقیقتیں طواف کرکے نثار ہوتی ہوں، جس کے حریم مدح تک شاعرانہ شاعری پہنچ نہ سکتی ہو۔ جہاں بناتِ افکار کی رونمائیاں مشکل ہوں۔ جہاں دست فکر وتفکر مرتعش نظر آئیں۔ پائے خیال وتخیل تھرتھراتے ہوں۔ لفظیں، تعبیریں، تاَدیے، کانپ کانپ کے دور

ہٹ جاتے ہوں۔

جن ذوات کے بامِ کہنہ صفات تک افہام، اوہام، حواس، ادراکات، اشارات، کنایات، استعارات، مجازات، مبالغات، خیالات، تخیلات، خطابات، عبارات، قیاسات، تصورات اور تصدیقات کی کمندیں پہنچ نہ سکیں۔ پھر تعریف ہوتو کیوں کر۔ الفاظ ان کے ساحتِ جلالِ مدح تک جانہیں سکتے۔ تعبیریں حریم اقدس ثنا تک قدم نہیں رکھ سکتیں۔ ہاں قدرت شاعری کرے تو حق ہے۔ مگر اس کے لئے شعور مشاعر بھی بیکار ہے تعریف رسولؐ درکار ہے۔ جس کی زمین مدح عرش سے بلند پایہ، قاب قوسین اوادنیٰ سے اعلیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ سے بے انتہا ارفع ہو۔ اس کی صاحب معراج ہی مدح کرسکتا ہے۔ ایسے نفوس قدسیہ اور عصمت پوش افراد کی مدح میں متقدمین ومتاخرین نے جو کچھ کہا اس پر ممدوحین بغیر جنت دیئے راضی نہ ہوں گے اور یہ فیض مدح اور کرامت ثنائے اہلبیتؑ ہے کہ ہر مدّاح کو جنت میں گھر ملے گا۔

مگر جناب کاملؔ صاحب کے قصیدے معلقاتِ کعبۂ قلوب ہیں۔ معاف تو نہ کیا جاؤں گا ضرور کہ موصوف کے قصائد عامیانہ مذاق اور جاہلانہ علم سے برتر ہیں۔ سمجھنے کے لئے بڑے ذوق سلیم اور طبع مستقیم کی ضرورت ہے۔

جناب مولانا کاملؔ صاحب کے اشعار آبدار سمجھنے کے لئے وہ دماغ چاہئے جس کی رگوں میں عالمانہ وشاعرانہ دونوں جذبات انگڑائیاں لیتے ہوں۔ خالی شاعرانہ شعور ناکافی ہے۔ مدح اہلبیتؑ کی ترازوئے شاعری میں کبھی ایک ہلکا سا تنکا بھی بھاری ہوجاتا ہے اور کیف وکم میں وہ کسی گراں مایہ شاعر سے کم نہیں ہوتا۔ پھر جس کا پلہ ہی بھاری ہو جس کی گرانیِ مدح فنکاری اور شاہکاری کی گردن جھکا دیتی ہو۔ موصوف کے قصیدہ کی مدح سرائی میں الفاظ گم نظر آتے ہیں۔ اور دماغ کے زاویئے تلاش الفاظ میں مستقیم نہیں رہتے موصوف کی قوت متخیلہ مدح وثنا کی ان اونچی شاخوں پر آشیانہ بناتی ہے جہاں ہوائے خزاں بھی پہنچ نہیں سکتی۔ ان کا نشیمنِ ثنا اتنا بلند ہوتا ہے جہاں طوبیٰ کا سَر خم اور انفرادیت کا پرچم نظر آتا ہے مقابلے کے صاعقے خود جل جاتے ہیں۔ اور جسد کی برق کوند کوند کر خیرہ ہوجاتی ہے۔ شاعری نے بہت سی کروٹیں لی ہیں مگر

سکون بخش اور راحت رساں کروٹ وہی ہے جو ائمہ کی سیرت بیدار کردے اور ان کے کمالات واوصاف کو روزِ روشن کی طرح جگادے۔ ورنہ شاعری کا دوسرا نام ایک غیر احسن انقلاب ہوگا۔ طولِ تحریر کا عفو خواہ ہوں۔ لڑ میں لڑ مل گئی۔ موتی ملتے گئے ہیں پروتا رہا لڑی بڑھ گئی۔ اب مضمون کو ناقص چھوڑ کر صرف استدعا اور دعا پر ختم کرتا ہوں، اگر دامن مدح تک میرے دست الفاظ کی رسائی نہ ہوئی ہو تو اپنی کوتاہ دامنی کا اعتراف کرتا ہوں۔ جناب کاملؔ صاحب کی معیاری نگاہ سے اگر میرا مضمون گرا ہوا ہو تو دامن عفو میں جگہ دیں:

موصوف سے خطاب کر کے:

یہ وہ کاملؔ ہے قصیدہ کہ سرِ حشر تمھیں
دیں گے مولا مرے کچھ اور بھی جنت کے سوا

دعا یہ ہے کہ فرزدق کو بارہ ہزار ملے۔ موصوف کو بارگاہِ امام علیہ السلام سے ہزار بار نقدِ مراد ملے۔ خدا اس فرزدقِ ہند کا فردوسی موتیوں سے منھ بھرے۔ (آمین)

نمونۂ کلام

لیا قسمت نے آخر جل کے مجھ سے امتحاں میرا
دیئے دو جلنے والے، ایک دل اک آشیاں میرا

میں پہلے ہی سے سمجھے تھا جلے گا اور نہ کیوں جلتا؟
قریب آتش رخسار گل تھا آشیاں میرا

لحد میں میں ہوں اور نالے بسے ہیں کوئی جاناں میں
مری منزل سے آگے بڑھ گیا ہے کارواں میرا

ہوا تار نفس کا خاتمہ تنکوں کے ماتم میں
مقدر کی طرح بن بن کے بگڑا آشیاں اپنا

جب کچھ نہ بن پڑے گی تو پھر کیا کریں گے ہم
ایک اک کا منھ ترے لئے دیکھا کریں گے ہم

کہتے ہیں وہ کہ تجھ سے تو پردہ کریں گے ہم
دل آئینہ اگر ہے تو دیکھا کریں گے ہم

رکھ دو قفس اسیروں کا دیوار باغ پر
جب پھول مسکرائیں گے رویا کریں گے ہم

دیکھا ہے دل کا زخم تو حیران ہیں طبیب
کوئی نہیں یہ کہتا کہ اچھا کریں گے ہم

نہ آپ خوش ہیں نہ یہ جان مبتلا میری
بتایئے تو کہ اب کیا کرے وفا میری

اسیر ہو کے بھی آزادیاں نہیں جاتیں
قفس میں میں ہوں گلستاں میں ہے صدا میری

ذلیل دوست ہوں لیکن عزیز دشمن ہوں
کہ مجھ کو چھوڑ کے ہٹتی نہیں بلا میری

وہ کس امید پہ پوچھیں مریض کی حالت
سمجھ چکے ہیں کہ کیا کر چکی ادا میری

بس ایک نسخۂ غم جو ازل میں لکھّا تھا
تمام عمر نہ بدلی گئی دوا میری

کریم تجھ سے نہ پھر مانگنے کو ہاتھ اٹھے
ہوئی یہ خیر کہ تھی بے اثر دعا میری

وہ پوچھتے ہیں کہ جیتے ہو اب تک اے کاملؔ
میں کہہ رہا ہوں کہ سنتا نہیں خدا میری

انجام یہ ہوئے دل حسرت مآل کے
کل راستے ہیں بند فریب خیال کے

طرفہ مزہ یہ ہے مجھے برباد کرکے بھی
کرتے ہیں بات آنکھوں میں آنکھوں کو ڈال کے

اللہ کس کماں سے چلے تھے یہ تیر ناز
ممنون زخم دل نہ ہوئے اندمال کے

دل کی شکستگی نے ڈرایا ہے اس قدر
کرتا ہوں بات بھی تو کلیجہ سنبھال کے

باغ خلیل آتش دوزخ کو کردیا
اللہ رے حوصلے عرق انفعال کے

دن رات میں دم بھر مجھے آرام نہیں ہے
اے درد تجھے اور کوئی کام نہیں ہے

تم اس دل بیتاب کے کہنے میں نہ آؤ
یہ یونہی کہا کرتا ہے آرام نہیں ہے

ہستی ہے مری باد حوادث سے پریشاں
میں شمع کی لو ہوں مجھے آرام نہیں ہے

خود لکھتے ہیں خود پڑھتے ہیں خود روتے ہیں کاملؔ
اب ان سے کوئی نامہ و پیغام نہیں ہے

دل میں کسی کی یاد ہے درد نہاں سے دور
بجلی تو کوندتی ہے مگر آشیاں سے دور

تو بھی تو دیکھ کشتۂ ہجراں کی زندگی ؛
اک شمع جل رہی ہے ترے آستاں سے دور

بجلی کو چار تنکوں سے سوجھی ہے دل لگی
چمکی تو آشیاں پہ گری آشیاں سے دور

مآخذ

۱۔ ''خطیب اعظم'' مصنفۂ ابوالبراعہ علامہ سید ظفر مہدی گہر جائسی۔ ۲۔ ''مجمع التواریخ، غیر مطبوعہ، مصنفۂ منشی سید غلام مہدی مہدیؔ جائسی مرحوم۔ ۳۔ ''یادرفتگاں'' (تعزیتی نظمیں اور قطعات تاریخ) مصنفۂ مولوی رضا محمد نقوی رضاؔ جائسی۔ ۴۔ ''تاریخ جائس'' منظوم مصنفۂ مرزا تصدق حسین صدقؔ جائسی۔ ۵۔ ''خطیب آل محمدؐ'' مطبوعہ امامیہ مشن لکھنؤ۔ ۶۔ ''ارمغان قدسیؔ'' مصنفۂ قدسیؔ جائسی۔ ۷۔ ''کتاب دل'' مجموعۂ غزلیات ماہرؔ لکھنوی۔ ۸۔ ''مطلع انوار'' مولفہ مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی۔ ۹۔ خاندان اجتہاد نمبر شمارہ ۵ و ۶ منشورۂ مؤسسہ نور ہدایت لکھنؤ۔ ۱۰۔ ماہنامہ ''شعاع عمل'' نور ہدایت فاؤنڈیشن۔ ۱۱۔ ''خاندان اجتہاد (مسدس) مصنفۂ قدسیؔ جائسی۔ ۱۲۔ ''سالک لکھنوی'' مولفۂ ماہرؔ لکھنوی۔ ۱۳۔ ''راجہ صاحب محمود آباد نمبر'' مطبوعہ کراچی۔ ۱۴۔ ''خمخانہ'' مصنفۂ لسان القوم حضرت صفیؔ لکھنوی مرحوم۔ ۱۴۔ ''خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو'' مولفہ ساحرؔ اجتہادی (کراچی، پاکستان)

☆☆☆

رباعیاتِ ذاخرؔ

استاذ الاساتذہ دعبلِ ہند مولانا سید فرزند حسین ذاخرؔ اجتہادی طاب ثراہ

احمدؐ کو جو اللہ نے شاہی دے دی ہر چیز انھیں تامہ وماہی دے دی
شک لائے جو اعجازِ نبیؐ میں کافر مہتاب نے دو ہو کے گواہی دے دی

دفتر جو نبوت کا مکمل ہوگا احمدؐ سے نبی کوئی نہ افضل ہوگا
صف بستہ قیامت میں جب آئیں گے رسل آخر کا رسولؐ سب سے اول ہوگا

یارب مرے مرنے کو فسانہ کردے سمتِ شہِ مظلومؑ روانہ کر دے
حسرت ہے کہ ہوں دفن تہ خاکِ شفا مٹی مری تسبیح کا دانہ کردے

محشر میں بھی دنیا کی کہانی ہوگی چہرے پہ ضعیفی کی نشانی ہوگی
آخر مری طفلی کا پتہ بھی ہے کہیں مانا درِ جنت پہ جوانی ہوگی

ہے کس کو شرف مادرِ حیدرؑ کی طرح		تا کعبہ جب آئیں دلِ مضطر کی طرح
اعجاز نما زور علیؑ یہ بھی تھا		دیوار کو توڑا درِ خیبر کی طرح

مژدہ ہو خلیل اب وہ ولادت پہنچی		جو کی تھی دعا اس کی بشارت پہنچی
کعبہ میں ہوا مصحف ناطق پیدا		قرآن کو طے کرکے امامت پہنچی

ساقیٔ شرابِ حوض کوثر حیدرؑ		حامی حیدرؑ، شفیع محشر حیدرؑ
پوچھے جو کوئی کون ہے آقا تیرا		میں قبر سے چلاؤں کہ حیدرؑ حیدرؑ

اک دن یہ بقا ہوگی کہانی کی طرح		بدلے گا اثر عالم فانی کی طرح
اے موت عدم میں ہمیں گر یاد رہا		پیری کو بھی ڈھونڈھیں گے جوانی کی طرح

ہو ضعف تو طاقت کی دوا دیتے ہیں		آئے جو پسینہ تو ہوا دیتے ہیں
پیری میں ضیا آنکھ کی یہ کہہ کے چلی		ہنگام سحر شمع بجھا دیتے ہیں

یا رب مجھے ممنون پئے تاج نہ کر		برباد غریبوں کی مگر لاج نہ کر
پتھر سے پلا صورت موسیٰ پانی		روزی کا تنک ظرف کی محتاج نہ کر

برسات کی اشکوں میں روانی دے دے		ساقی مجھے رنگین جوانی دے دے
بن جائے گا مے تیری نگاہوں کی قسم		ساغر پہ نظر ڈال کے پانی دے دے

کلام فاطرؔ

حمد رب الارباب

خطیب اعظم سید الادباء شمس العلماء علامہ سید سبط حسن نقوی فاطرؔ جائسی طاب ثراہ

مصنوع زبان ہے خدا کی! منزل در پیش ہے ثنا کی
کس طرح سے باب حمد کھولے حیران ہے چپ رہے کہ بولے
اک مضغۂ گوشت نطق ہمدم اللہ کی قدرت مجسم
تعبیر نمائے لفظ و معنا تصویر کش مراد زیبا
وہ فاتح باب قبلۂ دل وہ عقدہ کشائے عقد مشکل
خاموش ہے اس جگہ دہن میں گل ہو گئی بلبل اس چمن میں
کہتی ہے کہوں تو میرا کیا ہے جو کچھ ہے وہ سب دیا ہوا ہے
ناقص ہوں میں اور تو ہے کامل عالم تری ذات، میں ہوں جاہل
خالق ہے تو اور میں ہوں مخلوق سابق ترا وصف اور میں مسبوق
ہوں شکل حباب اس جہاں میں بحرین عدم کے درمیاں میں
پہلے کو ہزاروں سال جھیلا تو ہی نے غریق کو ابھارا
تھا صورت موج بحر، مضطر لیتا رہا کروٹیں برابر

تحریک سے مضمحل رہا میں اصلاب میں منتقل رہا میں
کشتی تھی کوئی نہ بادباں تھا میں اور یہ بحر بیکراں تھا
مایوس کا آسرا تھا تو ہی معدوم کا ناخدا تھا تو ہی
جس وقت عیاں ہوا کنارا اس کہنہ سرا میں لا اتارا
پیدا ہوئی شکل زندگانی مابین توان و ناتوانی!!
منزل ہوئی اس عدم کی آخر ساحل پہ گرا تھکا مسافر
صدیوں کا سفر یہ کم نہیں تھا جب آنکھ کھلی تو دم نہیں تھا
فریاد کی دل شکن کہانی لوگوں نے سنی مری زبانی
گذرا تھا جو یاد کررہا تھا جینے کی خوشی میں مر رہا تھا
جنبش میں تھے دست و پا برابر تھا پیش نظر وہ بحر اخضر
خشکی بھی تھی صورت تری میں مشغول تھا میں شناوری میں
تڑپا کیا ہاتھ پاؤں مارے اس حال میں رات دن گذارے
آخر کو ہٹے حجاب دہشت کم ہونے لگی وہ پہلی وحشت
کانوں میں صدائیں آئیں پیہم سمجھا کہ بسی ہے نسل آدمؑ
تھی بزم جہاں نشاط انگیز ہر شے تھی برائے دل طرب خیز
سبزے سے زمیں کی سبزوردی گردوں کی قبا تھی لاجوردی
پھولوں سے چمن مہک رہے تھے تاروں سے فلک چمک رہے تھے
آرائش دہر تھی دل آویز ہر جلوۂ ناز شوق انگیز
اک سمت نظر اٹھی جو اک بار پھر دیکھا عدم کا بحر زخار
ہر اوج ہے اس کے آگے پستی ہے لطمہ زن فضائے ہستی
پھیلا ہے حد نظر سے بڑھ کر تاچاک قبائے صبح محشر
گردوں کی طرح محیط عالم کم اس سے کہیں بسیط عالم

ہر موج عدوئے جسم و جاں ہے ہر لہر پہ موج کا گماں ہے
اک جسم تو کیا جہان ڈوبے چڑھ جائے تو آسمان ڈوبے
کوہ اس کے لئے ہیں آبگینے رخ کرتے نہیں ادھر سفینے
ہر نقش حیات دھو رہا ہے دنیا کو وہی ڈبو رہا ہے
دکھلاتا ہے جب وہ چیرہ دستی ہل جاتی ہے کل اساس ہستی
ہے اس میں جزیرۂ زمانہ جس طرح کہ آسیا میں دانہ

مناجات کے چند اشعار

''بین العدمین'' پابہ گل ہوں کب حکم ہو، کب میں منتقل ہوں
نے میں ہوں نہ یہ سرائے فانی چڑھتا ہوا آرہا ہے پانی
یہ تنگ زمانہ تنگ ہنگام میں پا بہ رکاب وہ لب بام
تسبیح کروں تو وقت کم ہے میں جس کو بھروں کہاں وہ دم ہے
یہ بحر فنا بھی کیا بلا ہے دل جسم سے پہلے ڈوبتا ہے
مطلوب ثنائے تر زبانی یہ آب کہاں جو ہو وہ پانی
ڈر نیش زن رجوع دل ہے خم پیش خطر، رکوع دل ہے
اتنی بھی نہیں ہے دل میں قوت سمجھے جو اجل کو بے حقیقت
یہ دانۂ اشک جمع کر لے ہر تار نفس کی گود بھر لے
سبحہ ہو جو اس طرح کا تیار تسبیح کرے تری بہ تکرار
جب تار نفس اجل سے ٹوٹے سمجھے کہ اسیر ہوکے چھوٹے
اس وقت ہے لطف زندگانی باقی پہ نثار ہو جو فانی

توبہ از عیوب بحضرت غفار

اے ساتر عیب معصیت کار اے سامع نالۂ دل زار
اے مرہم زخم سرفروشاں اے اجر فزائے عیب پوشاں
بے برگ ہے نخل زندگانی اس خشک شجر کو دیدے پانی
معلوم ہیں ''کلک کن'' کی چالیں گذری ہیں ہزارہا مثالیں
خود میں نے بھی قبل روح یابی دیکھا ہے یہ دور انقلابی
یہ حکم ترا ہوا تھا اک دن ''نطفے'' سے لہو بنا تھا اک دن
پھر ''علقے'' کی شکل خوں ہوا تھا پھر مضغۂ گوشت خوں بنا تھا
اونچے کئے قصر جسم و جاں کے دیدے کے ''ستون'' استخواں کے
انسان بنایا قصہ کوتاہ میں بول اٹھا تبارک اللہ
گو مبدء خلق تھی نجاست آخر میں تھا حلۂ طہارت
محراب میں ابروؤں کے پتلی دکھلانے لگی نشست لیلی
ہم سایوں میں اختلاف ڈالے چہرے تو سپید بال کالے
یہ پیکر خاک وضع عالی ہے آئینہ خانۂ جمالی

نعت مرسل اعظمؐ

سنتا ہوں کہ اس کے زیر دامن پنہاں ہوئے ہیں ہزاروں گلشن
ہر مزرعۂ دہر اس کا شاکی طغیانیٔ بحر ہے بلا کی
قوموں کا ہوا نہ پار بیڑا جو ڈوب گیا وہ پھر نہ ابھرا
حد ہے کہ گیا یہ بحر مواج تا گو ہر شب چراغ معراج

وہ آیۂ رحمت الٰہی وہ زینت تخت و تاج شاہی
وہ فاتحۂ کتاب تکویں وہ خاتمۂ رسالت و دیں
مقصود کتاب پاک لولاک رفعت دہ چرخ و نازش خاک
اول مخلوق کبریا کا آخر مبعوث تھا خدا کا
قدموں سے لپٹ کے جس کی نعلین دیکھ آئی مقام قاب قوسین
تھا جس کا وجود راز ہستی ہر اک نفس اس کا ناز ہستی
انگشت نے جس کی شام اعجاز دروازۂ ماہ کر دیا باز
محبوب بھی تھا حبیب بھی تھا ہے قول دنیٰ قریب بھی تھا

روایت اور حدیث

اک روز رسولؐ وحی گفتار فرزند کو اپنے کرتے تھے پیار
آغوش نبیؐ میں دل رُبا تھا غنچے پہ شجر جھکا ہوا تھا
تھا فرد ثمر جو رنگ و بو میں اک عالم جوش تھا نمو میں
تھی اوج پہ شان دین و ایماں سورے کو لئے ہوئے تھا قرآں
ضو بار تھا نور کا سپیدا خورشید میں تھی شعاع پیدا
آیا تھا بحکم رب اُتر کر آغوشِ قمر میں سعد اکبر
انجیل تھی زیب دست عیسیٰؑ توریت لئے ہوئے تھے موسیٰؑ
اترا ہوا گود میں ستارہ والنجم کا تھا جلی اشارہ

فرمانے لگے نبیؐ یہ اس دم ہوتی نہیں الفتِ پسر کم
یہ گل ہے بہارِ زندگانی یہ گوہر تاج کامرانی
تنہا بھی ہے اور وحید بھی ہے مظلوم بھی ہے شہید بھی ہے

توبہ از عیوب بحضرت غفار

اے ساتر عیب معصیت کار اے سامع نالۂ دل زار
اے مرہم زخم سرفروشاں اے اجر فزائے عیب پوشاں
بے برگ ہے نخل زندگانی اس خشک شجر کو دیدے پانی
معلوم ہیں ''کلک کن'' کی چالیں گذری ہیں ہزارہا مثالیں
خود میں نے بھی قبل روح یابی دیکھا ہے یہ دور انقلابی
یہ حکم ترا ہوا تھا اک دن ''نطفے'' سے لہو بنا تھا اک دن
پھر ''علقے'' کی شکل خوں ہوا تھا پھر مضغۂ گوشت خوں بنا تھا
اونچے کئے قصر جسم و جاں کے دیدے کے ''ستون'' استخواں کے
انسان بنایا قصہ کوتاہ میں بول اٹھا تبارک اللہ
گو مبدء خلق تھی نجاست آخر میں تھا حلۂ طہارت
محراب میں ابروؤں کے پتلی دکھلانے لگی نشست لیلی
ہم سایوں میں اختلاف ڈالے چہرے تو سپید بال کالے
یہ پیکر خاک وضع عالی ہے آئینہ خانۂ جمالی

نعت مرسل اعظمؐ

سنتا ہوں کہ اس کے زیر دامن پنہاں ہوئے ہیں ہزاروں گلشن
ہر مزرعۂ دہر اس کا شاکی طغیانیٔ بحر ہے بلا کی
قوموں کا ہوا نہ پار بیڑا جو ڈوب گیا وہ پھر نہ ابھرا
حد ہے کہ گیا یہ بحر مواج تا گو ہر شب چراغ معراج

وہ آیۂ رحمت الٰہی وہ زینت تخت و تاج شاہی
وہ فاتحۂ کتاب تکویں وہ خاتمۂ رسالت و دیں
مقصود کتاب پاک لولاک رفعت دہ چرخ و نازش خاک
اول مخلوق کبریا کا آخر مبعوث تھا خدا کا
قدموں سے لپٹ کے جس کی نعلین دیکھ آئی مقام قاب قوسین
تھا جس کا وجود راز ہستی ہر اک نفس اس کا ناز ہستی
انگشت نے جس کی شام اعجاز دروازۂ ماہ کر دیا باز
محبوب بھی تھا حبیب بھی تھا ہے قول دنیٰ قریب بھی تھا

روایت اور حدیث

اک روز رسولؐ وحی گفتار فرزند کو اپنے کرتے تھے پیار
آغوش نبیؐ میں دل رُبا تھا غنچے پہ شجر جھکا ہوا تھا
تھا فرد ثمر جو رنگ و بو میں اک عالم جوش تھا نمو میں
تھی اوج پہ شان دین و ایماں سورے کو لئے ہوئے تھا قرآں
ضو بار تھا نور کا سپیدا خورشید میں تھی شعاع پیدا
آیا تھا بحکم رب اُتر کر آغوشِ قمر میں سعد اکبر
انجیل تھی زیب دست عیسیٰؑ توریت لئے ہوئے تھے موسیٰؑ
اترا ہوا گود میں ستارہ والنجم کا تھا جلی اشارہ

فرمانے لگے نبیؐ یہ اس دم ہوتی نہیں الفتِ پسر کم
یہ گل ہے بہارِ زندگانی یہ گوہر تاج کامرانی
تنہا بھی ہے اور وحید بھی ہے مظلوم بھی ہے شہید بھی ہے

آئے جو کوئی پس شہادت خواہان سعادت زیارت
پائے گا ثواب میرے حج کا عمرہ کا بھی ساتھ اجر ہوگا

عاشور کو صحرائے کربلا پر ایک طائرانہ نگاہ

تھی درد کی جا بجا تجلی سینے میں چمک رہی تھی بجلی
کروٹ مرا دل بدل رہا تھا میں اور وہ ساتھ چل رہا تھا
بستی غم و ہم کی بس رہی تھی آنکھوں کی گھٹا برس رہی تھی
سابق کی وہ دل شکن لڑائی مرآۃ خیال نے دکھائی
وہ دشت بلا میں صورت دام پھیلی ہوئی فوجِ کوفہ و شام
گرداب نما حصار لشکر تا دور زمیں پہ بار لشکر
صحرائے بلا وہ موج در موج دریائے جفا وہ موج در موج
نیزوں سے وہ دامن بیاباں صورت گر عرصۂ نیستاں
قوت دہ زور و شورِ لشکر تحریک زبان تیغ و خنجر
سنواتی ہیں آج تک ہوائیں پرواز خدنگ کی صدائیں
صیحے فرسوں کے دشمن ہوش آواز سے فارسوں کے ہم دوش
ٹاپوں سے فلک عیار راہی نالوں سے زمین پشت ہاہی
قرنائے جنود صیحہ افگن تیغوں سے ہوا دریدہ دامن
ڈھالوں سے نمود شان احوال پھیلے ہوئے نامہ ہائے اعمال
ناگاہ ہوئی نمود طلعت چمکا کلس رواق حضرت
قبہ ہوا دور سے نمودار پہنے ہوئے حلہ ہائے انوار
ہمسایۂ بام چرخ اطلس زینت دہ وادیٔ مقدس
خاک اس کی فروغ غازۂ لعل دیتی تھی صدائے ''اخلع النعل''

اے راکب دوش مصطفائی اے خاک نشین کربلائی
مقتول جفا شہید اسلام مذبوح قفا قتیل آلام
مخدوم قبائل ملائک ضو بخش نمارق و ارائک
مفتاح خزانۂ رسالت مصباح قصور اہل جنت
پروردۂ دامن پیمبرؐ یکتا گل گلشن پیمبرؐ
مرجان گراں بہائے بحرین زہراؑ و علیؑ کے قرۃ العین

اس طویل مثنوی سے امام مظلومؑ کی جنگ کا صرف ایک شعر پیش ہے۔

تلوار جو خوں میں بھر گئی تھی کافور میں آگ اتر گئی تھی

وصفِ علیؑ

نہ عصمت پاس ہے نے قوت جبریل حاصل ہے نہ احمدؐ کی زباں ممکن ہے نے سینے میں وہ دل ہے
زمیں سے آسماں تک نور کا طوفان حائل ہے مسافر ہے قلم پیشِ نظر قرآں کی منزل ہے

علیؑ کا وصف چوبِ خشک سے مشکل ہی مشکل ہے

نبوت کا فلک جب خاک پر مکّے کی اترا تھا اجالا ہو گیا تھا خوب گو پہلے اندھیرا تھا
پرانا ہر نظر میں قصۂ برقِ تجلیٰ تھا یہی روشن ستارہ تھا جو اونچا ہو کے چمکا تھا

سرِ دوشِ پیمبرؐ مرتضیٰؑ اک ماہِ کامل ہے

کنارہ بابِ علم مصطفیٰؐ سے جہل مطلق ہے علیؑ مصدر ہے گو نامِ جہاں پرور سے مشتق ہے
خیال مدح کی ہیبت سے خامے کا جگر شق ہے ہے ذات حق وحید اور وہ بحمد اللہ مع الحق ہے

مقابل میں جو آئے حق کے یہ سمجھو کہ باطل ہے

قصیدہ

در مدح حضرت فاطمۂ زہرا صلوات اللہ علیہا

مثال آئینہ ہوں دنگ حیرت کا ہے یہ نقشا
کدھر ہے فیض جاری کردے میری طبع کو دریا

قلم طوبیٰ کا منگوا دے ورق خورشید کا لادے
سیاہی میں مری حل کر سواد دیدۂ حورا

ورق خور کا سواد دیدۂ حورا جو پا جاؤں
دکھادوں ہاتھ میں قرطاس لے کر نور کا تڑکا

کشش ایسی زمین صفحۂ قرطاس دکھلائے
اتر آئے فلک سے بن کے ذرہ کوکب زُہرا

شرف ہو بیسویں تاریخ کو کیونکر نہ عالم میں
ہوئی ہیں آج ہی پیدا جناب فاطمہ زہراؑ

نہ باقی تھا کوئی حصہ بھی مشرق میں نہ مغرب میں
ہوئیں مکہ میں گو پیدا مگر یہ نور تھا ہر جا!

ہر اک کی آنکھ خیرہ کر کے نور پاک کہتا تھا
کرو بند آنکھ اپنی میں ہوں نور فاطمہ زہراؑ

جناں سے آئیں دس حوریں بحکم حضرت باری
ہر اک کے ہاتھ میں ابریق وطشت جنت الماویٰ

لئے تھیں ساتھ آب طاہر سرچشمۂ جنت
جھلک سے آب کوثر کی ضیا بھی تھی تہ و بالا

ڈبوئے دیتی تھی گردوں کو موج اس کی تجلی کی
خدا کی شان اس کوزے میں در آیا تھا یہ دریا

یونہی چھلکے گا یہ پانی یونہی تڑپے گا اس کا دل
نہائے قرۃ العینؑ نبی تب ہو جگر ٹھنڈا

زباں اس کی ثنا کیا کر سکے جس کی زیارت کو
جناں کو چھوڑ کر کوثر کا پانی خاک پر اترا

وہ مریمؑ جس کا بیٹا پیشوائے عیسیٰ مریمؑ
وہ بی بی آیۂ تطہیر جس کی شان میں آیا

وہ حورا جس کی خلقت باعث ایجاد جنت تھی
وہ حوا جس کا شوہر لائق تعظیم آدم تھا

اسی کی آسیہ کو آسماں سمجھی زمیں برسوں
اسی سے چرخ گردوں نے یہ گردش کا سبق کا سیکھا

نہ سکہ اس کی رفعت کا دلوں پر کس طرح بیٹھے
محمدؐ سا نبی جس کے لئے تعظیم کو اٹھا

وہ ماں جس نے تمامی عورتوں سے پہلے عالم میں
رسول حق کے ہاتھوں زیور اسلام و دیں پہنا

خدیجہ طاہرہؑ جس نے نباہی یوں پیمبرؐ سے
کہ اپنی زندگی بھر تو نہیں بھولے شہ والا

پدر وہ جس کے نام پاک سے کرسی کو زینت ہے
نگیں جس کا سلیماں سے سوا اقلیم میں نکلا

وہ زور آور کہ جس نے پشت گیتی پر کھڑے ہو کر
سپر کو بدرؔ کی انگشت کی تلوار سے کاٹا

شب معراج ہے جس کی ثنا کا اک لکھا دفتر
صباح گلشن فردوس جس کے نور کا جلوا

وہ شوہر نام جس کا مصحف ناطق ہے عالم میں
بحکم رب جو گھر میں حق کے قرآں کی طرح اترا

وہ گردوں آستاں، جس نے برائے طاعت یزداں
اشاروں میں نگہ کی طرح سے خورشید کو پھیرا

وہ بیٹے گوشوارے ہیں جو گوش عرش اعظم کے
وہ دُرا یسے جو دو ہونے پہ بھی تھے دہر میں یکتا

وہی سردار ٹھہرے خلد کے سب نوجوانوں کے
نہ نکلا خلد میں کوئی حسینؑ ایسا حسنؑ ایسا

ہوئے دونوں امام اک فاطمہؑ کے شیر پینے سے
بیاض شیر میں شامل مگر نور امامت تھا

انہیں بیٹوں کی یہ ماں ہے میں جنکی مدح کرتا ہوں
یہ دونوں جس کے موتی ہیں وہی کوثر ہے یہ دریا

جہاں میں آکے بھی جنت کے باشندوں میں شامل ہیں
جبھی تو مصطفیٰؐ فرماتے تھے انسیۂ حورا

رسول اللہ کا انداز تھا بیٹی کے چلنے میں
جدھر سے خلق غافل تھی اسی جانب کو تھا سایا

فلک کے اوج کو نسبت ہے کیا زہراؑ کی رفعت سے
ہے گردوں سے کہیں اونچا نبیؐ کی آنکھ کا تارا

ثنا بیٹی کی احمدؐ کر گئے جو بس وہی حق ہے
حجاب نور حائل ہے نظر آتا ہے مجھ کو کیا

سفینہ فکر کا ساحل تلک فاطرؔ نہ آئے گا
یہ کشتی روک بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

نوٹ :۔علامہ نے یہ قصیدہ چودہ برس کی عمر میں کہا تھا۔

لُؤلُوءۃ البحرین

دیوان حضرت علی امیر المومنین علیہ السلام سے ایک نظم کا ترجمہ اردو نظم میں

اَلنَّاسُ مِنْ جِهَةِ التِّمْثَالِ اَكْفَاۗءٌ
اَبُوْهُمْ اٰدم وَالْاُمُّ حَوَّاۗءُ

مثالوں سے ہیں لوگ باہم برابر
کہ باپ ان کے آدم ہیں حوّا ہیں مادر

وَاِنَّمَا اُمَّهَاتُ النَّاسِ اَوْعِيَةٌ
مُسْتَوْدَعَاتُ وَلِلْاَنْسَابُ اٰبَاۗءُ

ہیں لوگوں کی مائیں امانت کے برتن
نسب باپ دادا سے ہوتا ہے روشن

فَاِنْ یَکُنْ لَّھُمْ مِّنْ اَصْلِھِمْ شَرَفٌ یُفَاخِرُوْنَ بِہٖ فَالطِّیْنُ وَالْمَآئُ

اگر ہے بزرگی کی ان میں کوئی شے وہ نازاں ہیں جن پر تو بس آب و گل ہے

وَاِنْ اَتَیْتَ بِفَخْرٍ مِّنْ ذَوِی نَسَبٍ فَاِنَّ نِسْبَتَنَا جُوْدٌ وَّعَلْیَآئُ

جو تو فخر اپنے نسب پر کرے گا تو جود و بلندی پہ ہے فخر میرا

لَافَضْلَ اِلَّا لِاَھْلِ الْعِلْمِ اِنَّھُمْ عَلَی الْھُدٰی لِمَنِ اسْتَھْدٰی اَدِلَّائُ

فضیلت ہے ان کو جو اہل نظر ہیں وہی طالبوں کے لئے راہبر ہیں

وَقِیْمَۃُ الْمَرْئِ مَا قَدْ کَانَ یُحْسِنَہٗ وَالْجَاھِلُوْنَ لِاَھْلِ الْعِلْمِ اَعْدَآئُ

جو آتا ہو، انساں کی قیمت ہے وہ فن جو جاہل ہیں، ہیں علم والوں کے دشمن

تَقُمْبِعِلْم وَلَاْ تَبْغِیْ لَہٗ بَدَلاً فَالنَّاسُ مَوْتٰی وَاَھْلُ الْعِلْم اَحْیَآئُ

طلب علم کی کر، نہ ڈھونڈھ اِس کا بدلا کہ مردہ ہیں سب، علم والے ہیں زندہ

وَلَاْ تَصْحَبْ اَخَاالْجَھْلِ وَاِیَّاکَ وَاِیَّاہُ فَکَمْ مِّنْ جَاھِلٍ اَرْدٰی حَکِیْمًا حِیْنَ اَخَاہُ

نہ ساتھ اہل جہالت کا کبھی دینا جو دانا ہے کہ عاقل کو بہت سے جاہلوں نے مار ڈالا ہے

یُقَاسُ الْمَرْئُ بِالْمَرْئِ اِذَا مَاھُوَ مَاشَاہُ وَلِلشَّیِیْئِ مِنَ الشَّیِیْئِ مَقَائِیْسٌ وَّاَشْبَاہُ

ہو جیسا آدمی ویسا ہی ہمراہی بھی ہوتا ہے ہر اک شے اہل عالم پر مثالوں سے ہویدا ہے

وَلِلْقَلْبِ عَلَی الْقَلْبِ دَلِیْلٌ حِیْنَ یَلْقَاہُ

ملا دیتا ہے جب رہبر تو پھر دل دل سے ملتا ہے

تَغَیَّرَتِ الْمَوَدَّۃُ وَالْاَخَآئُ وَقَلَّ الصِّدقُ وَانْقَطَعَ الرَّجَآئُ

باہم جو برادری تھی ناپید ہوئی الفت ہی کے ساتھ قطع امید ہوئی

طویل عمر اور اس پر یہ اشک باریٔ غم نہ ختم ہوتا ہے پانی نہ جام بھرتا ہے

رخت ہستی ہو کہ ہو رخت عدم جو پہن لوں اپنے قد پر ٹھیک ہے

قصائد گہرؔ

بہار ربیع

سید المتکلمین ابوالبراعۃ علامہ سید ظفر مہدی نقوی گہرؔ جائسی اعلی اللہ مقامہٗ

مدیر ماہنامہ ''سہیل یمن'' وشارح نہج البلاغہ ومصنف ومترجم کتب متعددہ

سبزہ کو جگا آکر اے فصل گلستانی ہے خواب میں مدت سے یہ مخمل کاشانی

لاسج کے حسینوں کو یوں صحن گلستاں میں سر پر کلہ گل ہو بر میں ہو قبا دھانی

خوبان گلستاں ہوں اس شان سے نور افگن آئینہ میں نہروں کے ہو جلوۂ حیرانی

زلفوں کا بگڑنا بھی اس فصل میں اچھا ہے گلشن کو سنوار یگی سنبل کی پریشانی

مصراع قدموزوں دکھلا کے ابھاراسکو مدت سے نہیں سنتے بلبل کی غزلخوانی

خالق کی ثنا کرتا گلشن میں جو ہاتھ آتا لالہ کی قطاروں سے اک سبحہ مرجانی

ہر رات جمال گل گردوں پہ اثر کرتا ہر صبح ہوا کرتا شبنم کا لہو پانی

ٹکرے دل بلبل کے ہرسمت پڑے ہوتے ہر شاخ لئے ہوتی شمشیر صفاہانی

بازار حسینوں کا جویائے سحر ہوتا بوغنچوں میں ہو جاتی اک یوسف زندانی

ہر صبح نسیم آتی پتوں کو ہلا جاتی شان ابر کی دکھلاتی شبنم کی فراوانی

زخم دل بلبل سے فوارہ خوں چھٹتا دامان سحر ہوتا گلزار میں افشانی

لے ابر کو ہاتھ آیا وہ تخت سلیمانی بے پردہ ہوئی بجلی آنکھوں کا ڈھلا پانی

جھونکوں سے ہواؤں کے ہلتا ہے دل بلبل
موسم ہے غضب پیارا گو فصل ہے طوفانی

کشتی دل بلبل ڈوبے نہ تھپیڑوں سے
پھولوں کو تو اچھی ہے شاخوں کی مگس رانی

پتوں نے ہرا آنچل ڈالا ہے رخ گل پر
دامن میں زبرجد کے ہے لعل بدخشانی

میزان محبت میں بلبل نے سوا دیکھی
ناطاقتی دل سے پھولوں کی فراوانی

صورت گر گل ہونا آئین محبت ہے
آنسو ہیں عنادل کے دست و قلم مانی

منھ کھولنا آتا تھا کب صحن گلستاں میں
غنچوں نے سکھائی ہے بلبل کو غزلخوانی

غنچوں کے تبسم سے ہر سمت تجلی ہے
ہر طور شجر پر ہیں سو جلوۂ ربانی

جس طرح سے مکہ میں پیدائش مرسلؐ سے
طعنہ زن انجم تھا ہر ذرہ نورانی

وہ مرسلؐ زورآور جس کے ید طولیٰ نے
قرص مہ کامل کو توڑا تھا بہ آسانی

جس ہاتھ کی انگلی نے کاٹا سپر مہ کو
اس ہاتھ میں کیا کرتی شمشیر صفا ہانی

مطلع

یہ چاند کسی شب تھا یوں محو ثنا خوانی
دو ٹکڑوں سے پیدا تھا اک مطلع نورانی

اک نور کے ٹکڑے ہیں کیونکر نبیؐ و حیدرؑ
بتلایا اشارہ سے یہ مطلب روحانی

دیکھ اے نظر منکر چاند اور بڑھاتا ہے
سیپارہ قرآں میں دو پارۂ نورانی

آتشکدۂ فارس گل ہو گیا پرتو سے
تاثیر کہاں پہونچی برسا تھا کہاں پانی

پتھر نے جگہ دل میں دی نقش کف پا کو
عنصر میں صنم کے تھا انداز مسلمانی

لینے کے لئے بوسے اس کے لب و دنداں کے
گردوں سے اتر آئے سب آیہ قرآنی

جاگتے رہو!

ایک دن پوچھا یہ مجھ سے دوست نے
کس لئے یوں ذلت مذہب ہوئی

مختصر میں نے دیا اس کو جواب
یہ نہ پوچھو کس لئے ؟ اور کب ہوئی

زندگی مرسلؐ کی تھی اک صبح امن
چوریاں ہونے لگیں جب شب ہوئی

”گوہر شاہوار“

در مدح سید الوصیین امام المتقین حیدر کرار علی ابن ابیطالبؑ

حصار باغ سے نکلی شمیم غنچۂ شادی — چمن کی سیر سے آگے بڑھی پھولوں کی آزادی

اُمیدیں ہیں بہت کچھ خامۂ رنگین قدرت سے — ابھی تک ہے کتاب چہرۂ خاک چمن سادی

نسیم باغ تو جنکی ہوا میں بس کے آئی ہے — ہمیں بھی اک نظر دکھلا دے ان پھولوں کی آبادی

ہر اک ذرّہ کو حلّے سندس اخضر کے ملتے ہیں — زمین زعفراں وش ہو چلی ہے خضر کا وادی

گھٹا نے جال ڈالا ہے زمیں پر آب رحمت کا — کہو بلبل سے پانی ہو گیا ہے دام صیّادی

سبق آموز نکلے قطر ہائے بارش رحمت — چمن کے رہنے والے ہو گئے تسبیح کے عادی

کوئی دوش ہوا پر ہے کوئی آب رواں پر ہے — شمیم و گل نے پائے ہیں سفینے آبی و بادی

یہ کیا انداز الفت ہے ہنسی میں روئے دیتی ہے — ادھر ہیں خندہ زن کلیاں اُدھر بلبل ہے فریادی

گھٹا کو دیکھ کر دل بڑھ گیا جوش مسرّت سے — کہ ناشادی کی ظلمت میں ہے پیدا جلوۂ شادی

بہار باغ نے جوش جنوں کی حد نہیں رکھی — رگ ابرِ رواں نے کس لئے فصد اپنی کھلوا دی

حجاب ابر میں کوئی نہ کوئی مسکرایا ہے — تجلّی نے طبیعت دیکھنے والوں کی بہلا دی

اُجالا تو ہے تاریکی میں گو ہیں مختلف شمعیں — عطا کی ابر کو بجلی میرے دل کو تمنا دی

گلوں کی ناوک باراں سے رنگت پھوٹ نکلی ہے — سکھایا ہے کسی قادر نے یہ انداز فصادی

شگوفے دیکھ کر منھ رہ گئے، قدرت نے بلبل کو — نقاب رُخ اُلٹ کر صورت محبوب دکھلا دی

گل صد برگ گلدستے کی صورت میں نمایاں ہے — ہٹا ہے درمیاں سے فرق مجموعی و افرادی

یہ کیا گلشن میں بیل ہے ایک اور ہیں زمزمے لاکھوں — صدا شاید چمن کی چار دیواری نے دہرا دی

بہار باغ کا موسم پریشانی کا دشمن ہے — حوادث سے جو گرد اٹھتی تھی وہ باراں نے بٹھلا دی

تمنّا کی طرح ڈر کر چھپایا دور گردوں سے — کوئی کہہ دے حنا سے اب نکالے خلعت شادی

مرادوں تک کبھی آتی ہیں راہیں نامرادی سے
صبا نے زلف سنبل کی پریشاں کر کے سُلجھا دی

دل بلبل میں پھر جان آ گئی نقش زمیں اُبھرے
نئے سر سے چمن نے داستان وصل دُہرا دی

عجب کیا سختیاں کھوئیں زمانے کی جو قدرت نے
کف داوٗد سے نیچا تھا زور فرق فولادی

شمیم غنچہ قید وصل سے آزاد بھرتی ہے
ہواؤں نے رہائی یوسف زنداں کو دلوا دی

رہا ہوتے ہی ہیں قیدی شمیم گل چھٹی تو کیا
نسیم صبح کو دیکھو ذرا سی بات پھیلا دی

وہ سائل بن گئے جو مانگنے سے شرم کرتے تھے
کہ غنچوں کی بندھی مٹھی یم بخشش نے کھلوا دی

عروسان چمن کی جھولیاں پھیلی ہیں گلشن میں
لٹے موتی تو سنبل نے بھی اپنی زلف پھیلا دی

رنگا تھا ایک ہی پانی سے لیکن واہ ری قدرت
قبائیں تھیں کہیں رنگیں کہیں پوشاک تھی سادی

زمرد کر کے خاک دہر کی قیمت بڑھائی ہے
زمیں کو ابر باراں نے قبائے سبز پہنا دی

شگوفہ یاسمن کا چشم نرگس میں کھٹکتا تھا
صبا نے گل کھلا کر چاندنی کا شمع اُٹھوا دی

بزیر دامن ابر بہاری سوز کیا معنی
جگہ دی داغ کو لالہ نے سینہ میں تو بیجا دی

چمن کو دیکھ کر بلبل نے اپنا رنگ بدلا ہے
وہی نغمے ہوئے ہیں اب جو آوازیں تھی فریادی

ہجوم گل سے جا ملتی نہیں کانٹوں کو گلشن میں
محب کی ہے جو آبادی وہی دشمن کی بربادی

وہ غنچہ نے بنایا دل وہ دل نے کعبہ بتلایا
وہ کعبہ نے تجلّی وادیٔ ایمن کی دکھلا دی

یہ کعبہ بھی شگوفہ گلشن قدرت کا ہے ورنہ
ہنسی کیوں آ گئی کیوں مسکرا کر گود پھیلا دی

حجاب خامۂ کُن اک خط مبہم ازل میں تھا
مگر دیوار نے شق ہو کے تفسیر اسکی سمجھا دی

شمیم گل نکلتی ہے مگر یاں شوق نکہت میں
بُلائی جا رہی ہے خانہ ہاشم کی شہزادی

وہ در ہو یا نہ ہو کعبہ ہر اک جانب سے قبلہ ہے
گھر اپنا تھا جدھر چاہا اُدھر سے راہ بتلا دی

خدا کے گھر میں اک مولود پیدا ہو تو اچھا ہے
کہیں ایسا نہ ہو بے مثل رہ جائے نبیؐ زادی

تھی وابستہ اسی بچے کی طفلی و جوانی سے
خدا کے گھر کی آبادی نبیؐ کے گھر کی آبادی

حجاب فاطمہ بنت اسد منظور باری تھا
خلیل اللہ کے ہاتھوں سے اک دیوار کھنچوا دی

ہوائیں چل رہیں تھیں چار سو کفر و ضلالت کی
خدا نے شمع وحدت کو نئے فانوس میں جا دی

ملائک کیا ٹھہر سکتے فراز بام گردوں پر کئی شاگرد اترے دیکھ کر سیمائے استادی

پھرے ہیں آج بیت اللہ کے دن سن تو بڑھنے دو کل آجائے گا آگے رجعت خورشید کا وادی

اساس دیں کے پڑتے ہی گرے حکم الٰہی سے بنائے کفر کے جتنے صنم تھے سنگ بنیادی

ذرا کعبہ کی وسعت دیکھنا اسکو جگہ دی ہے ہے کم جس کی ثنا سے آج عرض وطول ابعادی

جبینیں خلق کی جھکنے لگیں اور مڑ گیا قبلہ تجلّی نے علیؑ کی کعبہ کی تقدیر چمکا دی

انھیں کے دم سے خالق نے چراغ کفر بجھوایا انہیں کے ہاتھ سے عالم میں شمع نور جلوا دی

کبھی نور امامت اور نبوت دونوں باہم تھے پیمبرؐ نے چڑھا کر دوش پر تفسیر سمجھا دی

نہ ہوتا بیت معمور فلک پیدا تو کیا ہوتا کہاں آراستہ ہوتی علیؑ کی بزم دامادی

سرور وغم سے گو ذات خدا بالا و برتر ہے مگر اس شب تو ہے وہ بھی شریک محفل شادی

ولا اسکی سوادالعین حُب دل کا سویدا ہے ثنا اس کی عبادت، ذکر اس کا زینۃ النادی

وسط میں کعبہ ہے اور کعبہ میں ہے جلوۂ حیدرؑ ہیں راہیں راس وچپ اور بیچ میں ہے خلق کا ہادی

یہ مانا گھر اسی کا تھا مگر بندہ نوازی سے عمارت باپ کی بیٹے کو اس صورت سے پہنچادی

گہر کا دل بھلا کا ہے کو اب پھولے سمائیگا فلک پر ہے دماغ مدح و اوج بزم میلا دی

نور پیکر زچہ

نور پرور زچہ نور پیکر زچہ سب سے افضل زچہ سب سے بہتر زچہ

رحمتوں نے لگائے ہیں بستر زچہ آج کعبہ بنا ہے ترا گھر زچہ

چل رہے ہیں محبت کے ساغر زچہ تیرا بچہ ہے ساقیٔ کوثر زچہ

گھر خدا کا زچہ خانہ تیرا بنا یہ شرف ہوگا کس کو میسر زچہ

منتظر تیری ہے گود پھیلائے گی ہوگا کعبہ کی دیوار میں در زچہ

تیرے رخ کی ضیا سے اجالا ہوا کیوں نہ چمکے حرم کا مقدر زچہ

جوش زن ہو کے تسنیم اترائے گی ۔۔۔ فرط الفت سے چھلکے گا کوثر زچہ
حوریں آئی ہیں بن کر تری خادمہ ۔۔۔ تیرا رتبہ ہے مریمؑ سے برتر زچہ
تیری گودی صدف ہے شرف کے لئے ۔۔۔ ضو فشاں ہے امامت کا گوہر زچہ
کھینچ لے گا فلک سے ستارہ کبھی ۔۔۔ تیری گودی کا ماہ منور زچہ
شق یہ دیوار کعبہ کا کہتا ہے کچھ ۔۔۔ بڑھ کے توڑے گا یہ بابِ خیبر زچہ
بت جو کعبے میں تھے منھ کے بھل گر پڑے ۔۔۔ دیکھ باطل کو دی حق نے ٹکر زچہ
کفر و الحاد کی خیریت اب نہیں ۔۔۔ لب پہ ہے شور اللہ اکبر زچہ
پھول امامت کا دل سے لگائے ہوئے ۔۔۔ مسکراتی ہے کعبہ کے اندر زچہ
آیت اللہ کی ہیں علیؑ گود میں! ۔۔۔ صفحہ قرآں کا ہے تیری چادر زچہ
بڑھ کے احمدؐ نے بھائی کو اپنے لیا ۔۔۔ چادر نور میں ہے سراسر زچہ
لو علیؑ نے پیمبرؐ کی چوسی زباں ۔۔۔ خون میں مل گئی وحیِ داور زچہ
تیرے گھر کا اجالا ہے نام علیؑ ۔۔۔ تیری آنکھوں کا تارا ہے حیدرؑ زچہ
سایہ افگن ہے رحمت ترے فرق پر ۔۔۔ کھل گئے ہیں ملائک کے شہپر زچہ
تیری گودی میں بچے کی انگڑائیاں ۔۔۔ بن گئیں عکس تیغ دو پیکر زچہ
بچپنا ہے ابھی سن کے بڑھنے تو دو! ۔۔۔ تیغ کھولے گی بچے کے جوہر زچہ
تیرا بابا اسد تیرا بیٹا اسد ۔۔۔ ہو مبارک تجھے شیر داور زچہ
کفر کٹ جائے گا شرک مٹ جائے گا ۔۔۔ تیغ ہیں تیرے بچے کے تیور زچہ
ماں تو اس کی ہے جو ہے خدا کا ولی ۔۔۔ تجھ پہ قربان کیوں کر نہ ہو ہر زچہ
گھر وہ فرعون کا یہ خدا کا حرم ۔۔۔ آسیہ کب ہیں تیرے برابر زچہ
ہے امامت رسالت کی روح و رواں ۔۔۔ تیرا بچہ ہے نفس پیمبرؐ زچہ
ہو مبارک تجھے چاند یہ ہاشمی ۔۔۔ تیرے سر پر رہے فضل داور زچہ
تیرے در کے بھکاری ہیں جن و مَلک ۔۔۔ اور عمار و سلمان و بوذر زچہ

کعبے میں تین دن میہمانی رہی! گود بھروا کے نکلی ہے باہر زچہ
تیرے بچے پہ قربان ساتوں فلک ہیں نچھاور ترے ماہ و اختر زچہ
تجھ کو ماں کہتے تھے سرور انبیاؑ کون عالم میں ہے تیرا ہمسر زچہ
جان اسلام کی تیرا فرزند ہے فخر ایمان کا تیرا شوہر زچہ
ڈالیاں جھک پڑیں کعبے میں خلد کی یہ بھی سہرا رہا ہے ترے سر زچہ
کیوں نہ صلِّ علیٰ کا ہو محفل میں غل مشک فردوس سے ہے معطر زچہ
تیرا بچہ ابھی سے یم وحی میں ہے رسالت کی کشتی کا لنگر زچہ

آج کعبہ ہے تیرا پجاری زچہ

ہے دو عالم میں افضل تمہاری زچہ ہے خدا و نبیؐ کی یہ پیاری زچہ
پڑھتا جاتا ہے آیات حکم خدا تیری گودی میں قرآں کا قاری زچہ
کلمۂ حق بھی ہے نفسِ مرسلؐ بھی ہے کیوں نہ ہو عالم وجی طاری زچہ
تیری آغوش میں ہے امام ھدیٰ تجھ پہ کیونکر نہ ہو فضل باری زچہ
تیرا پردہ رکھا حق نے کس حسن سے آج کعبہ ہے تیری عماری زچہ
تیری عصمت پہ مہریں ہیں قرآن کی حق نے کی ہے تری پردہ داری زچہ
مسکراتی ہے کعبہ کی دیوار بھی ! کیوں خوشی ہو نہ ہم سب پہ طاری زچہ
یہ امامت کے گلشن کا پہلا ہے گل وحی خالق ہے باد بہاری زچہ
کیوں نہ آیت مودت کی قربان ہو ! خون الفت ہے رگ رگ میں ساری زچہ
صبح ایماں کی ضو سے پڑی کھلبلی کفر پر ہوگئی رات بھاری زچہ
آج ایمانِ کُل تجھ سے پیدا ہوا ہے عیاں تیری ایمانداری زچہ
ہاتھ پھیلائے آتے ہیں ختم رسلؐ شوق مرسلؐ کو ہے بے قراری زچہ

آج ہی منھ کے بھل گر رہے ہیں صنم
ان بتوں پر پڑی ضرب کاری زچہ

صبح ہوتے ہی کعبے میں جلوہ بڑھا
شب کو کرتی تھی اختر شماری زچہ

سجدے میں گر کے بچے نے تسبیح کی
وجد کیوں ہو نہ قرآں پہ طاری زچہ

چھوٹ پڑتی ہے حوروں کے رخسار کی
اپنے بچے پہ کیوں ہو نہ واری زچہ

پہلی کونپل ہے یہ باغ اسلام کی
رحمت حق ہے ابر بہاری زچہ

فخر عیسیٰؑ جو ہے آج پیدا ہوا
دیکھ مریمؑ کی اتری سواری زچہ

آج موسیٰؑ نے کروٹ مسرت کی لی
آسیہؑ کرتی ہیں پردہ داری زچہ

آدمؑ و نوحؑ و خضرؑ آج آئے ہیں سب
تیرے عیسیٰؑ کے ہیں یہ حواری زچہ

کفر کی نسبتیں اور تیری طرف
تیرے دشمن ہیں لاریب ناری زچہ

تیرے بچے کے دم سے بڑھا زور حق
دیں میں پیدا ہوئی استواری زچہ

دیکھ خاک نجف اب بھی ہے گل فشاں
اب نہ بدلے گی فصل بہاری زچہ

تیرے بچے کے رخ پر اسی وقت سے
ہے عیاں پرتو کامگاری زچہ

کعبہ ہنسنے لگا اور دیوار میں
''شق'' پڑا تو علی کو پکاری زچہ

تیرا بچہ ہے مشکل کشائے جہاں
تیرے ہاتھوں میں ہے رستگاری زچہ

ٹوٹے پڑتے ہیں گردوں کے سارے ملک
شوق الفت نہیں اختیاری زچہ

وہ تھیں بیرونِ در، اِن کا کعبہ ہے گھر
ایک مریمؑ تھیں وہ اک ہماری زچہ

تو خریدار حق تو پرستار حق
آج کعبہ ہے تیرا پجاری زچہ

رحل آغوش ہے اور قرآں علیؑ
کیوں نہ ہو لائق مدح باری زچہ

حوض کوثر جھلک بوئے جنت مہک
برق ایماں چمک یہ پکاری زچہ

کعبہ تیرا ہے گھر غیر کو کیا خبر
حق نے کی ہے تری پاسداری زچہ

تیرے در سے ہے خواہان لطف و کرم
آج تیرے محبؔ کی کمازی زچہ

سلکِ گہر

(بسلسلۂ عید غدیر)

دِل حزیں ہے مدتوں سے کیف انتظار میں　　پلا دے ایک اور جام دہر ہے خمار میں
لہو نمو کا پھونک کر، دکھا رگِ بہار میں　　لگا دے سرمۂ سحاب چشمِ اعتبار میں
عیاں ہو غنچۂ مرادؔ دستِ شاخسار میں

وہ دَور جو گذر چکا، ہے رنگ پھر جما گیا　　وہ نور تھا دماغ میں دلوں میں بھی سما گیا
جناں کی راہ قافلہ کو راہبر بتا گیا　　مبلغِ کریم تک خطاب بَلّغْ آ گیا
وہ سلک منتظم ہوئی جو کل تھی انتشار میں

خدا کا شکر مہر دیں چڑھا خطِ کمال پر　　نظر نے بدلیں کروٹیں صحیفۂ جمال پر
ہوئیں تمام نعمتیں خدا کی ختم سال پر　　نبیؐ چڑھے علیؑ کے ساتھ منبر رحال پر
زمیں پہ مدحِ بوتراب ہے خط غبار میں

قلوب کفر پست ہیں کچھ ایسا ارتفاع ہے　　نبیؐ کے ہاتھ میں علیؑ اک آلۂ دفاع ہے
بلا کا اژدہام ہے غضب کا اجتماع ہے　　صحابیوں کا ہے ہجوم حجۃ الوداع ہے
تھما ہوا ہے قافلہ کسی کے انتظار میں

یہی ہے مالکِ حرم جو دشمنِ کنشت ہے　　اسی کے حب و بغض پر بنائے نیک وزشت ہے
انھیں قدم کی برکتوں سے سبز دیں کی کشت ہے　　جہاں ہے ساقی جناں اُسی جگہ بہشت ہے
غدیر خم بھی خلد ہے نگاہ میگسار میں

دلِ منافقِ لعیں غم و ملال سہ گیا　　حسد کی آگ جل اُٹھی پگھل کے قلب بہ گیا
رسولؐ بزم عام میں خدا کا حکم کہہ گیا　　بلند ہو گئے علیؑ نفاق دب کے رہ گیا
اُبھر گیا یہ نقش بھی کتابِ روزگار میں

جو رازِ شامِ عرش تھا وہ برملا سُنا دیا　　بلند کرکے ہاتھ سے علوئے حق دکھا دیا
نقاب کو رُخِ ولی سے دفعتاً اُٹھا دیا　　لڑا جو جم کے ہر جگہ اُسے وصی بنا دیا
گریز پائیاں نہ تھیں شکیب استوار میں

تھی بات ایک رات کی کوئی جگہ نہ پا سکا　　رسولِ حق کسی کو بھی نہ جانشیں بنا سکا
سوادِ کفر دور تھا قریب بھی نہ آسکا　　نبی کے فرش محترم تک ایک بھی نہ جا سکا
لرز رہے تھے جوڑ بند شیر تھا کچھار میں

شرارِ سنگ کی طرح چھپا تھا قلب میں حسد　　نبیؐ تھے ساتھ پھر بھی بحرِ جبن میں تھا جزر و مد
مصاحبت کے بھیس میں کسی کو قتل کی تھی کد　　کسی نے جان بیچ کر رسولِ حق کی کی مدد
کوئی بلا کی چھاؤں میں کوئی مزے سے غار میں

بنا تھا دوش مصطفیؐ کا بیت حق میں جو نگیں　　بلندیوں میں جس کے تھا چھپا ہوا عروج دیں
جو ہے امام متقیں جو ہے امیر مومنیں　　جو کل تھا فرش خواب پر وہی ہے آج جانشیں
کسی کو دخل کیا بھلا خدا کے اقتدار میں

رخوں کے رنگ اُڑ گئے دلوں کے زخم پک گئے　　تڑپ کے قلب رہ گئے کہ پائے سعی تھک گئے
جو بار بار چھوڑ کر رسولؐ کو کھسک گئے　　انھیں کے دیدۂ نفاق میں علیؑ کھٹک گئے
خلش دلوں کی آ گئی جبھی سے نوکِ خار میں

ہو بے نظیر کیوں نہ بزم زیر چرخ چنبری　　نبیؐ کے ہاتھ سے علیؑ کو دی خدا نے برتری
امامِ حق، ولیٔ حق، سمیٔ حق، سخی جری　　بھلا کوئی کرے گا کیا وصیٔ حق کی ہمسری
قدم سرک گئے مقام گیر و دار میں

ادھر سے مصطفیؐ چلے سپہر سے چلا ملک　　نزول جبرئیل سے زمین بن گئی فلک
نبیؐ کے دستِ پاک سے مئے ولا گئی چھلک　　غدیر کی بچی ہوئی پہنچ گئی ہے ہم تلک
کہ کیف نشئتین ہے دماغ بادہ خوار میں

ہمیں نشان پائیں گے اسی پہ لوگ اڑے رہے	تمام شب اسی خیالِ خام میں پڑے رہے
شکست کھائی گرچہ دیدۂ ہوس لڑے رہے	علم علیؑ کو مل گیا بڑے بڑے کھڑے رہے
کسی کا کوئی بس نہیں قضائے کردگار میں

بھڑک رہی تھی اس طرف اُحد میں آتش ستیز	وہاں جبل کی چوٹیوں پہ ہو رہی تھی جست وخیز
ثباتِ قلب تھا فنا، قرار گم عیاں گریز	بڑے بڑے کھسک گئے، مگر علیؑ کی تیغ تیز
چمک رہی تھی برق سی فضائے کارزار میں

وصی ہو کون، کیا وہ ہو؟ فرار جس کی شان ہو	نہ علم ہو نہ حلم ہو نہ کوئی آن بان ہو
لرز اٹھے نہیب سے، جو جنگ کا بیان ہو	عزیز جس کو ختم مرسلیںؐ سے اپنی جان ہو
جو منھ چھپائے ہر گھڑی فرار کے غبار میں

دیا عروج دوش پر رسولؐ بے عدیل نے	بلند سقف کعبہ پر کیا اُنھیں جلیل نے
جگہ پرِ ملک پہ دی خدائے سلسبیل نے	گرے جو راہوار سے اُٹھایا جبرئیل نے
بلندیاں غضب کی تھیں احد کے شہسوار میں

توسل اس کا نام ہے یہ ہے عروج برتری	کہ اصدقِ جہاں بنا غلامِ بابِ حیدری
ہے اقتدار وہم سے بلند شان بوذری	علیؑ تھے گوہرِ شرف تو یہ تھے اس کے جوہری
یہ فخر جم کے رہ گیا قبیلۂ غفار میں

کہیں تھا جہلِ دائمی کہیں تھا علم مستعار	کہیں تھا حلم ظاہری کہیں تھا غیظ خوشگوار
کبھی خدا پرست تھے، کبھی بڑے گناہگار	کبھی علم اُٹھا لیا، کبھی دکھا دیا فرار
بڑے بڑے صفات تھے صحابۂ کبار میں

مصاحب ایک اور ایک نفسؐ ختم مرسلیںؐ	نبیؐ کا ایک جاں نثار ایک مار آستیں
مجاہد ایک دوسرا فرار شیوہ بالیقیں	کہیں شمیم مشک بیز اور ہے خلش کہیں
ہے فرق بیّن اے گہرؔ گلوں میں اور خار میں

خطیب بہار

(بسلسلۂ عید غدیر)

بحار کام آگئے مداد کے خمیر میں ریاض ہوگئے قلم ممالک قدیر میں
نہ موج بحر میں رہی نہ دم رہا صریر میں زمانہ صرف ہوگیا مناقبِ امیر میں

نشانِ آب ہے اگر تو بس خمِ غدیر میں

نشاط ہے محیط، اس میں ہم نہیں کہ تم نہیں وہ جس کو ڈھونڈھتے تھے ہم وہ سامنے ہے گم نہیں
یہ میکدہ وہ ہے جہاں علاوہ خم کے خم نہیں کہ فاعل سقاھم آج غیر رہم نہیں

ہلال عید جام ہوگیا کفِ امیر میں

غدیر آج رکن ہے مگر کبھی مقام تھا جہاں نشست خاص تھی وہاں سواد عام تھا
علیؑ کا ذکر خیر تھا کہ وہ خدا کا نام تھا ہزاروں مےکشوں کے لب اور اک وحید جام تھا

چھلک رہی تھی سامنے شراب دیں غدیر میں

زمین صاف کر رکھی تھی مہر کے شعاع نے دلوں میں کیف بھر دیا تھا وحی کے سماع نے
فلک کو کر دیا تھا خم زمیں کے ارتفاع نے نبیؐ کو زاد جو دیا تھا حجۃ الوداع نے

خدا کے حکم سے بٹا وہ مجلس غدیر میں

پرِ ملک نے دی ہوا نقاب رخ سرک گئی نگاہیں خیرہ ہوگئیں کہ برق سی چمک گئی
زمیں سے لے کے عرش تک فضائے دیں مہک گئی ازل میں جو بھری گئی تھی آج وہ چھلک گئی

رہا نہ ضبط نام کو صراحئ غدیر میں

غرض یقینِ دل سے تھی نفاق سے نہ کام تھا سراب کی جگہ نہ تھی غدیر کا مقام تھا
نبیؐ کا انتظام تھا خدا کا اہتمام تھا اِدھر اُدھر لب جہاں وسط میں اس کا نام تھا

شباب کا یہ ایک دن تھا عمر چرخ پیر میں

یہ وہ ہے جس کی بندگی کی ہر ادا قبول ہے　　اسی کے زیر حکم کُل جہاں کا عرض وطول ہے

خدا کا عبد خاص ہے برادرِ رسولؐ ہے　　جہاں کے خارزار میں یہی تو ایک پھول ہے

اُٹھائیں خار اُنگلیاں نہ کیوں خم غدیر میں

مبلّغ کریم تک صدائے بلّغ آگئی　　زبان وقلب پاک میں یہ روح حق سما گئی

بگڑنے والے دین کو یہ وحی رب بنا گئی　　وہ رہنمائے خلق کو یہ راستہ بتا گئی

پھراب توریب وشک کہاں وزارتِ وزیر میں

بلندیاں قدم میں تھیں عیاں ہے اہل ہوش پر　　یونہی رہا تمام عمر بحرِ فضل جوش پر

کبھی فراز کعبہ پر کبھی پرِ سروش پر　　کبھی نبیؐ کے ہاتھ پر کبھی نبیؐ کے دوش پر

بس اک ذراسا فرق تھا حرم میں اور غدیر میں

گرانیاں وہ وحی میں جو کہتی تھیں فلک سے جھُک　　سبک اسے وہی کہے جو پیش عقل ہو سبک

یہ قافلہ کو دی صدا خدا کے حکم نے کہ رُک　　نبیؐ کے دل کو کر گیا پہاڑ زورِ یعصمک

بدل گیا وہ امن سے جو خوف تھا ضمیر میں

خدا کی بزم قدس ہے تکلفات سے بری　　نہ احتیاج فرش ہے نہ کار مسندِ زری

بنا لے زینۂ سپہر لے لے تاج خاوری　　سواریوں کی پیٹھ پر ہیں زینہائے منبری

اثر ہے ایسے تخت کا ضرورتِ وزیر میں

نہاں ہے رعد وحی میں صفیر فتح باب کی　　عروج کو بتا رہی ہے دھوپ آفتاب کی

ہے زینتوں کا کیا گلہ کہ بزم ہے ثواب کی　　زمیں پہ بیٹھ جائیں گے ہے بزم بوتراب کی

یہیں کے ذرّے آملے ہیں دوست کے خمیر میں

شعاع مہر کی طرح سے سَیر وحی تیز تھی　　کھوے سے چھلتے تھے کھوے کہ گم رہ گریز تھی

ہوا شمیم زلف مصطفیٰؐ سے مشک بیز تھی　　زمیں پہ دھوپ کی چمک بڑی نشاط خیز تھی

اُتر پڑا تھا آفتاب چرخ بھی غدیر میں

امین وحی آرہے تھے ایک ایک گام پر　　کمال دیں کا وقت تھا تھیں نعمتیں تمام پر
ملک تھا اپنے کام میں نبیؐ تھا اپنے کام پر　　کوئی نظر نبیؐ پہ تھی کوئی نگہ امامؑ پر

جمال شاہ تھا عیاں وزیر بے نظیر میں

جگہ نہ پائی دہر میں صدائے قال وقیل نے　　ہٹائی چہرے سے نقاب منصب جلیل نے
ملا دیا زمین کو فلک سے جبرئیل نے　　عدیل پیش کردیا رسول بے عدیل نے

ضیائے مہر ازل سے تھی نہاں مہ منیر میں

کلام تھے نبیؐ کے گرچہ کچھ دلوں پہ شاق سے　　ریا پرست بھی بڑھے تھے زور اشتیاق سے
مسرتیں ہوئیں عیاں لبوں کے افتراق سے　　جو تہنیت کے بھیس میں چلیں دل نفاق سے

صدائیں گونجتی ہیں وہ ابھی خم غدیر میں

کہا کہ جو جہاں میں میرے زیر اقتدار ہے　　علیؑ وصی ہے اس لئے اُسے بھی اختیار ہے
ضرورت ثنا نہیں خلافت آشکار ہے　　نبیؐ کو اعتماد ہے خدا کو اعتبار ہے

فقیر حشر ہے وہی جو شک کرے امیر میں

مقام خم مقابل سقیفہ حشر تک رہا　　کمال دیں کے بعد پھر کسی کی احتیاج کیا؟
خلیفہ ڈھونڈتے ہیں کیوں یہ نقص کس لئے ہوا　　تمام نعمتیں ہوئیں مگر کوئی وصی نہ تھا؟

یقین کذب کررہے ہیں مصحف قدیر میں

خلیفہ نصب کیوں کرو تمہیں ہے اختیار کیا　　تمہارے اتفاق کا ہمیں ہے اعتبار کیا
نظر کے سامنے نہیں فرار کا غبار کیا　　وہ ایک واقعہ نہیں کہوں میں بار بار کیا

روایتیں گذر گئیں مقام دارو گیر میں

وہ بزم جو محیط تھی عدو کو بھی ولی کو بھی　　وہ حکم جو بھرے ہوئے تھا خشکی وتری کو بھی
سبھی تو جانتے ہیں پر خبر نہیں کسی کو بھی　　میں دے رہا ہوں تہنیت نبیؐ کو بھی علیؑ کو بھی

یہی گہر نثار کو تھے کاسۂ فقیر میں

یادِ عیدِ غدیر

کہاں تک اب دلاؤں یادا ے حبیب دلنواز　　سحر ہوئی ہے نور دیکھ کھول چشم نیم باز
تجھے تو بھولنے سے ہے ہمیشہ ارتباط و ساز　　مقام خم سے آتی ہے صدائے شاہ سرفراز

علی ولیٔ مومنیں ہے اور مرا وزیر ہے
یہی مفاد اجتماع مجمع غدیر ہے

کہاں تلک بیاں کروں کہ داستاں میں طول ہے　　نتیجے بے نقاب ہیں نزاع بھی فضول ہے
تحیّر اہل ہوش کا محیّر العقول ہے　　سقیفہ میں ہیں اُمّتی غدیر میں رسولؐ ہے

اُدھر ہے وحی ایزدی جو حق کے ساتھ ساتھ ہے
اُدھر خدا کا ہاتھ ہے اِدھر عمر کا ہاتھ ہے

وہ بیعت سقیفہ جو عمر کے ہاتھ سے ہوئی　　بڑے غضب کی چیز تھی خلاف وحی ایزدی
اساس دیں زمانہ میں اسی کی وجہ سے گری　　وگرنہ نص مصطفیٰؐ سے ہو چکے علیؑ ولی

ہمیں کسی سے کام کیا ہمیں نبیؐ سے کام ہے
نبیؐ کے بعد مرتضیٰؑ زمانہ کا امام ہے

نبیؐ کی بات مٹ گئی غضب کی بات ہوگئی　　سنور کے بن کے پھر تباہ کائنات ہوگئی
کتاب حق کے برخلاف واردات ہوگئی　　نبیؐ نے آنکھ بند کی جہاں میں رات ہوگئی

جو رہنمائے دہر تھا وہ قرص نور چھپ گیا
غبار دل نکل پڑا چراغ طور چھپ گیا

اٹھایا بستر اک طرف دلوں کے اتحاد نے　　بدل لیا لباس کو نبیؐ ہوے وداد نے
نقاب خوف اوڑھ لی ہدایت و رشاد نے　　سمیٹا دامن وسیع دین نامراد نے

یہی غدیر میں گیا تھا نقطۂ کمال تک
یہی اتر کے آگیا مدینہ میں زوال تک

اندھیرا پھیلتا چلا ضیا نے اپنی راہ لی　　بدل کے نیتوں نے سب متاع عزو جاہ لی
قدم بڑھے تو اس طرح کہ سرحد گناہ لی　　جہاں سے شرع آئی تھی اسی جگہ پناہ لی

خواص تھے حریص طمع جور حرص عام تھا
سوائے چند اہل دل کہیں نہ دیں کا نام تھا

مہاجریں اُدھر چلے جدھر سے کی تھیں ہجرتیں　　پھرا رہی تھیں اپنے منھ بھی ناصروں کی نصرتیں
حدیثیں یاد تھیں کسے، کسے تھیں یاد آیتیں　　مڑی ہوئی تھیں گردنیں بدل گئی تھیں صورتیں

گئیں خدا پرستیاں جناب مصطفیٰؐ کے ساتھ
سفینہ تہ نشیں ہوا وفاتِ ناخدا کے ساتھ

ابھی یہ کل کی بات ہے کہ تھا طلوع آفتاب　　غدیر خم میں جمع تھے رسولؐ اور ابوترابؑ
ابل رہی تھی شیشۂ فلک سے وحی کی شراب　　تھا پہلوئے مدینۂ علوم میں قیام باب

جو حسن تھا حدیث کا وہ کب رہا نقاب میں
غدیر کی شراب تھی ایاغ آفتاب میں

مدح قائم آل محمد صاحب العصر حضرت محمد مہدیؑ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ

جب حد سے بڑھی میرے دل کی شرر افشانی　　تقدیر نے لی کروٹ رحمت کا پڑا پانی
گلشن میں نمو دوڑا، چہروں پہ لہو دوڑا　　اس طرح رنگے گل کو کیا طاقت انسانی
قطروں کی طرح اُمڈے ذروں کی طرح پھیلے　　ہر سمت نظر آئی پھولوں کی فراوانی
باراں میں کوئی رنگت ظاہر سی نہ تھی لیکن　　ہے گل کی قبا نیلی پتوں کی عبا دھانی
باد سحر آتی ہے پتوں کو جگاتی ہے　　ہے نیند کا متوالا یہ مخمل کاشانی
جز سبزۂ بیگانہ گلشن میں نہ غیر آئے　　دی دیدۂ نرگس کو قدرت نے نگہبانی
فطرت نے سبق گل کو شبنم سے نہ دلوایا　　رونے میں تھی دشواری ہنسنے میں تھی آسانی
یوں عکس جمال گل چھایا ہے گلستاں پر　　آئینوں میں نہروں کے پیدا ہوئی حیرانی

جھونکوں سے ہواؤں کے ہیں چیں بہ جبیں لہریں
موجیں ہوئیں بے قابو پانی ہوا طوفانی

گلشن میں نسیم آئی اک مژدہ نو لائی
شاخوں کو ہلا ڈالا ہر سمت ہے طغیانی

شاخوں کو جھنجھوڑا ہے منہ غنچوں کا توڑا ہے
ہر ایک سے لڑتی ہے بیکار یہ دیوانی

اب گم ہے تہی دستی مانگا تو ملے موتی
گلشن کے فقیروں کی پوشاک ہے شاہانی

پتوں نے ہرے آنچل ڈالے ہیں رخ گل پر
آغوش زبرجد میں ہے لعل بدخشانی

گلشن کی بن آئے گی بگڑیں گی اگر زلفیں
گلزار کی زینت ہے سنبل کی پریشانی

ہیں اوس کے قطرے یا تسبیح کے دانے ہیں
لالے کی قطاریں ہیں یا سبحۂ مرجانی

زلف شب سنبل میں پھولوں کا چراغاں ہے
کلیاں ہیں گلستاں میں یا شمع شبستانی

صورت گر گل ہونا دشوار ہے انساں کو
ہاتھوں سے قلم رکھ دے بہزادؔ ہو یا مانؔی

غنچوں کو بتائے کون انداز تبسم کے
خوشبو کو بنائے کون اک یوسفؑ زندانی

حرف قلم قدرت ابھرا ورق گل پر!
وہ بات جو مشکل تھی پیدا ہے بآسانی

غنچوں میں مہک دے دی شاخوں میں لچک دے دی
پھولوں کو مبارک ہو یہ مروحہ جنبانی

رنگ اڑتا ہے چہرے کا جب پھول گلستاں میں
خاموشی سے سنتے ہیں بلبل کی غزل خوانی

ان پھولوں کی کثرت کو توحید سکھاتی ہے
ڈوبی ہوئی وحدت میں بلبل کی خوش الحانی

آنکھوں میں کھپا جاتا ہے رنگ گلستاں میں
تا دُور ہے سبزے سے دامان چمن دھانی

غنچوں کے چٹکنے میں انداز خطابت ہے
سوسنؔ کو ہے گلشن میں دعوائے زباں دانی

سوز جگر لالہ بجھتا نہیں نظروں سے
ہے گل کے چراغوں میں شبنم کا لہو پانی

ملتا ہے وہی اس کو جو حسن کا مقصد ہے
گو کافر نعمت ہے یہ فطرت انسانی

تقدیر کی گردش سے پایا نہ کوئی گوہر
دنیا کے بگولوں نے گو خاک بہت چھانی

شبنم کو رلایا ہے پھولوں کو ہنسایا ہے
سیکھے کوئی قدرت سے انداز جہاں بانی

غنچوں کے تبسم سے ہر سمت تجلی ہے
ہر طور شجر پر ہیں سو جلوہ ربّانی

سامرے میں جس صورت انوار امامت سے
ذروں میں ضیا پھیلی عالم ہوا نورانی

جبریل فلک پر ہیں مصروف ثنا خوانی
پیدا ہوا وہ بچہ مرسلؑ کا جو ہے ثانی

کاشانۂ نرجسؑ میں اترا ہے کوئی تارا
دنیا کو بتاتی ہے جلووں کی فراوانی

لو بارھواں گل مہکا گلزار امامت میں
یا چرخ سے اتری ہے اک آیت رحمانی

گودی میں حسنؑ کے ہے خورشید امامت کا
جبریل مبارک ہو بچے کی مگس رانی

آیت کی طرح روشن ہے مہر امامت بھی
یہ پشت مطہر ہے یا صفحۂ قرآنی

قطرہ ترے دریا کا تسنیم ہے کوثر ہے
ذرہ ترے صحرا کا اورنگ سلیمانی

عیسیٰؑ کے لئے عزّت ہے گھر کی ترے خدمت
موسیٰؑ کے لئے شوکت در کی ترے دربانی

ممنون کرم تیرے ہیں مرسل وپیغمبر
وہ موسیٰؑ عمرانؑ ہوں یا یوسفؑ کنعانی

جبریل کے بازو پر معراج ہوئی تجھ کو
اللہ نے گردوں پر کی ہے تری مہمانی

غیبت کی کھنچی ہے سَد اور دل میں تڑپ بیحد
روکے سے نہیں رکتا اب جذبۂ ایمانی

اب رخ سے نقاب اٹھے جلووں سے حجاب اٹھے
تاریک زمانہ ہے گم ہے رہ عرفانی

رکھ فرق مطہر پر اب تاج جہاں بانی
دبنے لگے سطوت سے ہر شوکت سلطانی

کب کھینچئے گا آخر شمشیر علیؑ مولا!
اونچا سر ایماں سے اب ظلم کا ہے پانی

اے داد رس ایماں ایماں کی مدد کیجیے
اسلام کا دشمن ہے ہر فرقۂ شیطانی

رنگیں ہو زمیں خوں سے اور خوں ملے جیحوں سے
ابرو کے اشاروں پر تیغوں کا چڑھے پانی

حق پوشی کی عادت ہے مدت سے زمانے کو
کب دیکھیں گے ہم تیرے تلوار کی عریانی

سب تیرے ثنا گستر سب تیرے فقیر در
حلّیؔ ہوں کہ قمّیؔ ہوں طوسیؔ ہوں کہ دوّانی

یہ ارض وسما سارے قائم ہیں ترے دم سے
تو آیۂ وحدت ہے تو سایۂ سبحانی

انسان وملائک کا کیا تذکرہ اے مولا
محتاج ترے دم کے سب آیۂ قرانی

یہ گیسو ورخ تیرے روز وشب ایماں ہیں
وہ مقطع ایمانی یہ مطلع ایمانی

اسلام پر احساں ہے تو مرکز ایماں ہے
تو مقصد قرآں ہے تو رحمت یزدانی

آگے تری عزت کے ہر شے ہے سرافگندہ
کیا دبدبۂ کسریٰ کیا شوکت ساسانی

مجبوروں کی حالت پر ہو اک نظرِ رحمت ساماں سے بدل جائے یہ بے سرو سامانی

ہے خشک مری کھیتی امیدو تمنا کی سوکھے ہوئے دھانوں میں میرے بھی پڑے پانی

ہوں بحر مصیبت میں محتاج مدد مولاؑ! دریا میں ہے طغیانی کشتی ہوئی طوفانی

گویم بکہ حال خود درغم کدۂ عالم دل داند ومن دانم حق داندو تو دانی

ممدوح نبیؐ تو ہے ممدوح خدا تو ہے کیا میری ثنا گوئی کیا میری ثنا خوانی

اس وقت کی تنگی اور اس کرب مسلسل میں ہے حکم قصیدہ ہو اشعار سے طولانی

آلام وشدائد سے بے کار دماغ ودل کب طبع میں باقی ہے پہلی سی وہ جولانی

مسحورؔ کی الفت نے مجبور کیا یعنی کرنی پڑی تعمیل ارشاد کنوررانی

مدح شہ والا میں جو کچھ بھی لکھا کم ہے مقبول قصیدہ ہو تو کیوں ہو پشیمانی

میں دوریٔ منزل سے مایوس نہیں شاہا پہنچوں گا ترے در تک گر جذب ہے روحانی

”دُرِّ مکنون“

مدیح مولائے مومنان تمنائے منتظران حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ

ایک دن وہ تھا کہ تم تھے زینت بزم حجاب رخ تھا پردہ میں نہاں جیسے شگوفہ میں گلاب

جلتے تھے تارِ نظر بھی بال ہمت کی طرح کر رہا تھا گردشیں ابرِ تنک میں آفتاب

زیر پردہ تھی فروزاں شمع حسنِ بے مثال پرورش پاتی تھی آتش زیر دامانِ سحاب

حسن جب تک زیر پردہ تھا اثر محفوظ تھا جس طرح غنچوں میں بو یا بند مینا میں شراب

زخم دل ہنستے ہیں کیونکر تھا میں اس سے بے خبر تھا حجابوں میں مقید ابتسام برقتاب

تیغ ابرو کس طرح کھنچتی ہے کیا معلوم تھا تیر مژگاں کس طرح چلتے ہیں بن کر کامیاب

کس طرح چلتی ہے تیغ سرمۂ دنبالہ دار اور ادائے دوست اس کو کس طرح دیتی ہے آب

دل میں آتی ہیں تمنائیں یہ کیونکر صف بہ صف کس طرح آباد ہوتا ہے دلِ خانہ خراب

ابروئے خم دار وخال وروئے روشن کی قسم ایک جا دیکھے نہ تھے نجم و ہلال و آفتاب

کچھ نہ تھا معلوم فرش نورِ رخ پر روز و شب
کروٹیں لیتا ہے کیونکر گیسوؤں کا پیچ و تاب

کس طرح ہوتا ہے دل ٹکڑے نگاہ ناز سے
کس طرح چینِ جبیں بنتی ہے تیغوں کا جواب

کس طرح اُٹھتا ہے ماتھے پر یہ طوفانِ شکن
کشتیِ دل کس طرح سے ڈوبتی ہے زیر آب

بے زباں ملتا ہے کیونکر عہدۂ پیغمبری
قلب تک کیونکر پہنچتا ہے پیامِ اضطراب

جس پہ ڈالیں یہ نظر وہ حشر تک سوتا رہے
سچ ہمیشہ کس طرح ہوتا ہے ان آنکھوں کا خواب

اس سے پہلے عشق کی راہوں سے میں واقف نہ تھا
میں نے دیکھا ہی نہ تھا برق تجلّی کا جواب

کس طرح دل ڈوبتا ہے سوز بحرِ عشق میں
پھوٹتے ہیں کس طرح سے دل میں چھالوں کے حباب

گرتی ہے برق تبسم کس طرح سے قلب پر
کس طرح معمورۂ امید ہوتا ہے خراب

نرگسِ بیمار کرتی ہے بسر مژگاں کے ساتھ
اتنے کانٹوں میں اسے کس طرح سے آتا ہے خواب

ہے خلش کیا چیز، ناواقف تھا مژگاں کی قسم
شمع روشن زیر دامن تھی تو کیسا التہاب

داغ بھی دل میں نہ تھا مہر منور ہے گواہ
درد دل سے بے خبر تھا پہلووں کا انقلاب

اشکباری سے نہ مطلب تھا نہ خوں باری سے کام
گوہر منثور رخ پر تھے نہ تھا لعلِ مذاب

تیری زلفوں کی قسم غافل تھا شامِ ہجر سے
آج تک بھولا رہا اختر شماری کا حساب

مطلع

یہ بیاں اس وقت کا ہے جب نہ تھا کچھ اضطراب
ہوش اب کیسا کہ تم ہو سامنے اور بے حجاب

حسن مطلع

پردہاے دل میں آیا دفعتاً اک انقلاب
اب خدا ہی جانے تم نے کس طرح اُلٹی نقاب

آئینہ رُخ کا دکھا کر تم نے حیراں کردیا
ہو گیا مبہوت، مجھ کو تو نہ غش آیا نہ خواب

وسعتِ دنیائے دل آخر سمٹ کر رہ گئی
اس طرح پھیلا ترا دامان تاثیر شباب

جب نگہ پلٹی تری دنیا تہ و بالا ہوئی
منحصر تیری نظر پر تھا جہاں کا انقلاب

برق سی چمکی دلِ مضطر کو جو تڑپا گئی
درد کے پہلو ہوئے پیدا بڑھا یوں اضطراب

دیکھئے کرتا ہے کیا اس سے غبار قلب دہر | سر بہ صحرا ہو چکا ہے حسن کا درِّ خوش آب
بے نقابی ہے بُری؟ یا کیا؟ مگر اتنا ضرور | رخ ہے بے پردہ تو گیسو کھا رہے ہیں پیچ و تاب
پردۂ گیسو ہٹا یعنی قیامت آگئی | حشر اسی دن ہے کہ جب مغرب سے نکلے آفتاب
چشم مست اب بیخودوں سے کیا شکایت کا محل | وا ہیں میخانے کے در بٹتی ہے ہر جانب شراب
توڑے جاتے ہیں ہر اک سو ساغر و مینائے شرع | دین حق ناکام ہے اور دین باطل کامیاب
وسعتِ عالم ہوئی معمور ظلم و جور سے | کفر گویا ہے مگر خاموش ہے حق کی کتاب
جو اُبھارے تھے نبیؐ نے مٹ رہے ہیں وہ نقوش | شرع ہے سیلِ غوایت میں مگر نقشے بر آب
مضحکہ ہوتا ہے ہر سو دہر میں آیات کا | مصحف صامت ہے گویا ایک پارینہ کتاب
ہوتی ہے تخریب اسلام اور تعمیر ضلال | جیسے بھولے ہیں ''لدوا للموت وابنو للخراب''
قلب میں اسلام کے اب پرورش پاتا ہے کفر | لغو ہے عقبیٰ تو وہم محض ہے روز حساب
ہے حلالِ دیں حرام اور ہے حرام دیں حلال | کفر سے نفرت نہ منہیات سے کچھ اجتناب

مطلع

جا و بے جا آج ہر پردہ نشیں ہے بے حجاب | پردۂ غیبت کے ساکن اب اُلٹ تو بھی نقاب

مطلع

طالع سامرہ ہے بیدار گم ہے کیف خواب | نیند اب کیسی بڑھی تنویر چمکا آفتاب
دیکھ کر یہ رفعتِ خاکِ زمینِ سامرہ | کہہ رہا ہے آسماں ''یالیتنی کنت تراب''
تیرے ابرو کے اشارہ میں اترتا ہے ابھی | یہ ہلالِ چرخ جو مدّت سے ہے پا در رکاب
نقطۂ فائے فضیلت سے نہ آگے بڑھ سکے | وہ ستارہ گھر میں اُترے یا کہ پلٹے آفتاب
حکم رب سے شق ہوا دیوارِ کعبہ میں عیاں | تیرے دادا کی فضیلت کا ہوا یوں فتح باب
کشت ایماں تجھ سے ہے سرسبزاے بحرِ کرم | دیکھ کر تیری سخا ہیں ہفت قلزم آب آب
وا تھا در تیری فضیلت کا بحکم کبریا | تیرا فتح الباب اوروں کے گذر کا سد باب
چشم حق بیں رکھتے ہیں یہ تشنہ کامان ولا | دور سے چمکا کرے بزم سقیفہ کی سراب

داہنے بائیں نبوت اور امامت بیچ میں
ہم عناں تیرے کلیم اللہ عیسیٰؑ ہم رکاب
دیکھ لوں وہ دن کہ تو ہو سرگروہ قدسیاں
پیچھے پیچھے چرخ والے آگے آگے آفتاب
پشت پر ہو مالک مہر نبوت گامزن
نعرۂ فتح آگے آگے ''یا علی یا بوتراب''

مذمت طمع

قال امیر المومنین علیہ السلام ''ازری بنفسہ من استشعر الطمع''
اس شخص نے اپنے نفس کو معیوب کر دیا جس نے طمع کو ہمدم بنالیا۔

طمع سے بڑھ کے جہاں میں کوئی عذاب نہیں
یہ برق وہ ہے کہ جس میں نشان آب نہیں
یہ سبزہ زار ہے آئینہ خیال کا زنگ
یہ بوستان ہے خون مراد سے گلرنگ
یہی ہے صاعقۂ عقل و دانش و ادراک
ہر اک جمیل پہ بدزیب ہے یہی پوشاک
یہی مرض ہے رگ دہر میں جو ساری ہے
ہر ایک شاہ پہ بھی اس کا حکم جاری ہے
اسی فلک کے تلے گھومتا ہے اک عالم
اسی زمیں پہ پھسلتے ہیں عالموں کے قدم
اسی نے طرز بدل ڈالے ہیں نگاہوں کے
بٹھا رکھا ہے اسی نے دروں پہ شاہوں کے
جو کچھ ہے حصۂ قسمت وہ آہی جائے گا
بشر عطیہ معبود پا ہی جائے گا
وہی ملے گا جو فرمان کبریا ہوگا
طمع ہزار سوا ہو، پھر اس سے کیا ہوگا
طمع جو ہو نہ تو کاہے کو کوچہ گردی ہو
نہ ہو یہ عیب تو پھر کیوں جہاں نوردی ہو
خوشامدیں امرا کی نہ ہوں سوال نہ ہو
یہی نہ ہو تو نہ ملنے کا پھر ملال نہ ہو
ذلیل کس لیے ہوتا؟ بشر زمانے میں
نہ دیتا دخل جو خالق کے کارخانے میں
خیال مال نہیں نفس کی فقیری ہے
طمع جوان نہیں آبرو کی پیری ہے
یہ وہ صفت ہے کہ جس نے ہزاروں گھر لوٹے
اسی کی آنچ سے کمھلا گئے ہیں گل بوٹے
اسی کے زور سے حق ہو گیا ضعیف و نزار
اسی نے پست کئے آسماں مثال حصار

اسی کے ہاتھ سے جنگ جمل ہوئی قائم
اسی نے قتل کئے ہیں مصلی و صائم

اسی کے ہاتھ تھی صفین کی صف آرائی
اسی نے فتنۂ شوریٰ کی راہ بتلائی

یہی عمود خلافت بنی سقیفہ میں
یہی محرف اول تھی ہر صحیفے میں

اسی نے زہر کی تجویز کی برائے حسنؑ
خوشی اسی نے منائی بجائے ''ہائے حسنؑ''

اسی نے مملکت رے کو کر دیا محبوب
تباہ ہو گئے غرب و شمال و شرق و جنوب

یہ جوش حرص عمر تھا کہ رک نہ سکتا تھا
زمین کانپتی تھی آسماں کو سکتا تھا

رئیس فوج بنا تا بہ کربلا آیا
سپاہ کا ہے کو تھی ساتھ ایک بلا لایا

ادھر محبت دنیا میں جمع لشکر تھے
ادھر امام کے ہمراہ کل بہتر تھے

رسول زادے پہ روکا شقی نے آب رواں
عطش سے سوکھ گئی جان مصطفیؐ کی زباں

تمام حجت حق نے لعیں پہ حجت کی
ہر ایک ناصر اسلام نے نصیحت کی

مگر نہ حرص نے ہونے دیا اثر کوئی
نہ آیا حرؑ کے سوا حق کی راہ پر کوئی

ہر اک مجاہد دیں آب نہر کو ترسا
حسین قتل ہوئے آسماں سے خوں برسا

یہ وہ صفت ہے کہ جس سے یہ آفتیں آئیں
جہاں میں قبل قیامت قیامتیں آئیں

ریحانۃ الہند

قال امیر المومنین علیہ السلام

''کن فی الفتنة کابن اللبون لا ظھر فیرکب ولاضرع فیحلب'' ایام فتنہ وفساد میں اس طرح ہو جیسے وہ اونٹ کا بچہ ہوتا ہے جو دو سال اپنی عمر کے ختم کر کے تیسرے سال میں داخل ہوتا ہے اس کی ماں اس مدت میں غالباً دوسرے بچہ کو دودھ پلانے لگتی ہے اسی وجہ سے ماں ''لبون'' اور بچہ ''ابن لبون'' کہا جاتا ہے۔ نہ اس کی پشت ایسی قوی ہوتی ہے کہ سواری کی جائے نہ اس کے تھن ہی ہوتے ہیں تاکہ اس کا دودھ دوہا جائے۔

مراد تجھ کو فتنہ سے بالکل بے تعلق ہونا چاہیے نہ خود اس میں شریک ہو نہ دوسرے کو مدد پہونچا۔

زمانہ فتنۂ خوابیدہ کو جگائے اگر — بدل دے رنگ جہاں آسمان بازی گر
ہر ایک سمت عیاں ظلمت جہالت ہو — نزاع کرنے میں لوگوں کی ایک حالت ہو
نہ کوئی صاحب حق ہو نزاع والوں میں — فقط امنگ ریاست کی ہو خیالوں میں
تھا جیسے فتنہ ابن زبیر و عبد ملک — نہ ان میں تھا کوئی راہ صواب کا سالک
یوہیں تھا فتنہ حجاج و ابن اشعث بھی — یوہیں نزاع تھی ضحاک اور مرواں کی
دکھائے حال جہاں یوں اگر کبھی تقدیر — تو اس میں حکم یہ فرماتے ہیں جناب امیرؑ
نہ اپنے نفس کو کرنا شریک اہل جفا — نہ اپنے مال سے کوئی مدد انہیں پہونچا
ہو مثل بچۂ ناقہ نہ تجھ سے کچھ حاصل — نہ وہ سوار کے لائق نہ شیر کے قابل
مگر سمجھ لے کہ صفین و کربلا و جمل — ہر ایک ان میں سے تھی جائگاہ حسن عمل
زمان فتنہ نہ تھی جنگ ان مقاموں کی — ہر اک پہ فرض تھی امداد ان اماموں کی
علیؑ تھے حق کے لئے اور حق برائے علیؑ — حدیث مصطفوی سے یہ مدعا ہے جلی
یونہی حسینؑ تھے فرمانروا زمانے پر — سر ملک بھی تھا خم ان کے آستانے پر

قصائد کاملؔ

جب آپ مکمل کرتے ہیں قرآں مکمل ہوتا ہے
جب آپ سے الفت ہوتی ہے ایماں مکمل ہوتا ہے
بندے پہ خدا کا دھوکا ہے بندے میں خدا کے جلوے ہیں
اے قادرِ مطلق! اتنا بھی انساں مکمل ہوتا ہے

مدح امیر المومنین امام المتقین حضرت علی مرتضیٰؑ

حسان الہند مولانا سید کامل حسین نقوی کاملؔ جائسی مرحوم

پئے زخم جگر کافی نہ نکلی نوک نشتر تک
تبسم میں چھپائی جا رہی ہے صبح محشر تک

تبسم زار بن جاتی ہیں جب آنکھیں تصور میں
مرے آنسو بنا دیتے ہیں اکثر سلک گوہر تک

ہماری ڈبڈبائی آنکھ کے پردے میں وہ کچھ ہے
کہ دامن کھینچ کر ہٹ ہٹ گئے پیچھے سمندر تک

مری عرض تمنا میں ابھی ایسے بھی پہلو ہیں
کہ جن سے پیچ وخم میں پڑ گئی زلف معنبر تک

لکھوں میں حال دل یہ اضطراب دل جو لکھنے دے
مری تحریر خط میں کج ہوئے جاتے ہیں مسطر تک

کوئی رویا نہ دو آنسو مرے زخم تمنا پر
نہ اوڑھی میرے گلشن نے کبھی شبنم کی چادر تک

نکالے کوئی خار آرزو کس کو سلیقہ ہے
مرے زخم جگر میں جذب ہو جاتے ہیں نشتر تک

بنی ہے حلقۂ زنجیر بو خاک شہیداں کی
ہماری خاک پر کچھ دیر رک جاتی ہے صرصر تک

نوید طالع اقبال میں نے بھی سنی اے دل
کہ خون نامرادی سے لکھے جاتے ہیں محضر تک

مری چشم تصور میں خدا رکھے وہ جلوے ہیں
کہ جن کی روشنی میں کھو گئی ہے صبح محشر تک

جدار پاک کعبہ تک پناہ درد لے آئی
میں دل پکڑے ہوئے پہنچا قسیم حوض کوثر تک

اسی در سے زمانے کو ستم کی داد ملتی ہے — تصور کھینچ لایا قاضیٔ باز و کبوتر تک

مرا ٹوٹا ہوا دل جوڑ دینا کیا مصیبت ہے — یہ وہ در ہے جہاں بن بن گئے پھوٹے مقدر تک

جلی شمع حرم روشن ہوا اللہ کا گھر تک — یہی وہ روشنی ہے جو ملے گی صبح محشر تک

بلندی تیری ڈیوڑھی کی سوا ہے بام سدرہ سے — حد سیر ملک بھی ختم دیکھی ہے ترے در تک

تری نان جویں کا اک ثمر گلدستۂ جنت — تری ''کدیمیں'' کا اک عرق ہے حوض کوثر تک

اگر کوثر ولا کا نام ہے تیری تو اچھا ہے — وگرنہ تیرے متوالے تو پی جائیں گے کوثر تک

حریم کعبہ سے لے کر غدیر خم کے منبر تک — سبیلیں تیری مدحت کی ملیں گی حوض کوثر تک

تجسس کُن نگاہوں سے ازل میں بھی بہت ڈھونڈھا — نگاہیں جب اٹھیں رک رک گئیں مولائے قنبر تک

بلندی قامت مرسل کی عالم پر ہویدا ہے — جہاں تیرے قدم پہنچے وہاں پہنچے نہیں سر تک

حد طاقت کہیں محدود نکلی باب خیبر تک — وہ گذری ہے کہ اب اٹھتے نہیں جبریل کے پر تک

زمیں پلٹی کہ پلٹا شمس لیکن یہ سمجھتا ہوں — ترے ادنیٰ سے جھٹکے بھی بدل دیتے ہیں محور تک

تہی دست ولا میں ہوں تری شاہا وہ طاقت ہے — اگر چاہے تو گل ہو آتش دوزخ کا مجمر تک

درون پردۂ اسرار کی باتیں خدا جانے — خط معراج ظاہر میں رہا حیدرؑ سے حیدرؑ تک

بڑے مضبوط ہاتھوں سے ترے دامن کو پکڑا ہے — جہنم نے بہت کھینچا تو کھینچے گا فقط در تک

لباس خلد جس نے پہنے ہوں اس کی غلامی میں — شمیم خلد آئے گی مجھے لینے مرے گھر تک

ضربت حیدر

مٹی نہیں کائنات ہستی کوئی ترس دل پہ کھا رہا ہے — خرد شکن منظر نظر ہے مگر مجھے ہوش آ رہا ہے

یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے پیہم کہیں نہ ہو طور کا سا عالم — جھکا لے سر طاقت نظارہ کہ کوئی جلوہ دکھا رہا ہے

ہے قصۂ طور کوئی قصہ کہ دیکھ کر بھی نہ جیسے دیکھا — چراغ سینائے نامرادی ابھی تلک جھلملا رہا ہے

گھٹی ہوئی دل کی طاقتوں میں جنون نظارہ کیوں ہے پیدا — کلیم جس کو سلا چکے ہیں کوئی اسے کیوں جگا رہا ہے

یہ پردہ پوشی سے فائدہ کیا تجلیاں گھٹ کے کب رہی ہیں — حریم کعبہ اگر چھپا ہے فروغ کعبہ بتا رہا ہے

جواہر مدح ٹک رہے ہیں علیؑ کا خلعت سجا رہا ہے
زبان پر ہے حدیث خیبر رسولؐ رایت ہلا رہا ہے

رجل کہا اور بھر دی طاقت پھر اس پہ کرار کی فضیلت
جو غیر فرار کہہ دیا ہے تو سرد خوں جوش کھا رہا ہے

بلند ہو کر نشان اعظم کسی کی آمد کا منتظر ہے
علم کا پنجہ لچک لچک کر کسی کو جیسے بلا رہا ہے

زباں پہ نادعلیؑ ہے جاری گئے ہیں سلمان کس کو لینے
جسے بلایا تھا شام اسرا وہ آج کس کو بلا رہا ہے

یہ باب خیبر ہے بند ہو کر عدو کے دل کو بڑھا رہا ہے
جو کھینچ لے چرخ سے ستارہ کھڑا ہوا مسکرا رہا ہے

شباب میں رنگ بھر رہے ہیں ابھر کے خال وخد شجاعت
کمر شکستہ ہے دیو گردوں کہ عکس ضربت اٹھا رہا ہے

جو باڑھ پر تیغ کا ہے پانی ہے خون اعدا میں وہ روانی
لہو کا دھارا پھوار بن کر فلک پہ غازہ لگا رہا ہے

سما گلابی سمک گلابی فضا گلابی فلک گلابی
فلک سے سب عرش تک گلابی جہاد عیدیں منا رہا ہے

بہاؤ پر ہے سخن کی کشتی کہ بادباں شہپر ملک ہیں
یم فضائل کا تیز دھارا جدھر مڑوں ساتھ آ رہا ہے

ملک سے ہوتا ہے ترک اولیٰ کہ سہل سمجھا ہے ضرب حیدرؑ
جو وزن ضربت کے تولنے کو پروں کو اپنے جھکا رہا

تلی نہ جبریل سے جو ضربت بروز خندق نبیؐ نے تولی
بیان ماینطق کا ضامن نبیؐ کے منہ سے سنا رہا ہے

تمام جن وبشر کی طاعت سے ایک ضربت گراں ہوئی ہے
رسولؐ وحی خدا کو سن کر ہمیں یہ مژدہ سنا رہا ہے

"الی القیامۃ" کی لفظ کہہ کر کیا ہے میزاں کی حد سے باہر
یہ وہ عمل ہے کہ علم باری الگ ترازو بنا رہا ہے

ہے لفظ افضل بھی کتنی مجمل کہ ہے یہ تصریح کتنی افضل
دل انبیا کے نہ ٹوٹ جائیں نبیؐ فضیلت دبا رہا ہے

نغمۂ غدیری

یہ مجھے خبر نہیں ہے کہ حیات ہے اسیری
کہاں رک گئی جوانی کہاں جا رہی ہے پیری

مری نظم سے کھلے گا یہ شعور عارفانہ
کہیں حافظوں کا ایماں کہیں بادۂ نظیری

میں نوائے قنبری ہوں میں گدائے حیدری ہوں
مری طبع ہے فرزدق مرا فخر ہے فقیری

میں یہ جانتے ہوئے بھی تری مدحتوں میں گم ہوں
مری قاصر البیانی نہ کرے گی دستگیری

یوں ہی قافلہ رواں تھا کہ زبان وحی بولی
ہمیں آج دیکھنا ہے تری محنت اخیری

یہ زمین تپ رہی تھی کہ نبیؐ کے ساتھ والے
بجز آبلہ نہ رکھتے تھے متاع راہ گیری

نم شمع بن گیا تھا جو مزاج زمہریری!
تو زمیں تھی ایک سفلہ تہ گنبد اثیری

وہ نوید ''کنت مولیٰ'' سے ملی ہوئی فصاحت
وہ نہیب لفظ ''بلّغ'' سے سجی ہوئی امیری

میں نثار عرش دیکھے یہ تری بلند امیری
ہے فراز دست مرسلؐ ترا منبر غدیری

تری الفتوں کے صدقے میں خرید لی ہے جنت
مری حسرتوں کی مانع نہ ہوئی مری فقیری

کوئی خازن جناں ہے کوئی مالک جناں ہے
یہ تری امارتوں کی ہے پھکی ہوئی امیری

ہے دماغ ''عرشیاں'' سے بھی فزوں مری امیری
یہ ''جہانیاں'' غنی ہوں جو بٹے مری فقیری

یہ وقار ''یعصم'' تھا جو ادائے تہنیت تھی
کہ صدائے لفظ بلّغ میں یہ پیچ تھا اخیری

وہ تھے سید الملائک جنہیں روٹیاں عطا کیں
کہ امیریوں نے لے لی ترے واسطے فقیری

وہ گھٹی ہوئی فضائیں وہ رکی ہوئی ہوائیں
کہ زمیں میں آگئی تھی کوئی حرکت فطیری

وہ وداع صبح آخر وہ یقین دل پذیری
وہ ملائکہ جلو میں وہ صدائے یا قدیری

بھلا کون روک سکتا بھلا کون ٹوک سکتا
کہ کلام ''یعصم'' کی ہے شدید سخت گیری

مدح سیدۂ عالمؑ

گو ابھی بزم سیہ کاراں ہے صبح خندہ زن
رات ہوجائے جو صبح حشر کی پھوٹے کرن

وہ سیہ اعمال جو تاریک مرقد سے ہوا
وہ سیہ افعال جیسے کلفت دار محن

اب نہ سرکے گی نقاب آفتاب حشر بھی
ہے مرا بخت سیہ عالم پہ یوں سایہ فگن

دور کالا پڑ گیا ہے میری دودِ آہ سے
آئینہ دار سیہ بختی جو ہے چرخ کہن

بزم اختر کیا ہے سب خال رخ منحوس ہیں
یوں سیہ ہیں جس طرح سے چشم آہوئے ختن

ماہ کیا ہے اک جلی روٹی تنور چرخ کی
مہر کیا ہے علت سودا کا جسے ممتحن

حالت افسردگی میں بھی وہی ہے بانکپن
جل کے بھی اینٹھی ہوئی ہے میری قسمت کی رسن

روشنی ہے بھی تو کب ہوتا ہے کوئی مستفیض
شمع تربت بن گئی ہے میری شمع انجمن

ٹھوکروں پر ٹھوکریں ہیں الجھنوں کا ذکر کیا
کتنی ناہموار نکلی زلف قسمت کی رسن

تیرگی کا پڑ گیا چشم جنوں پر بھی اثر
خندۂ زنگی کا منظر ہے کہ خاک پیرہن

قافلے والوں کی رسی نے نکالا چاہ سے
قسمت یوسف سنورنے میں مساعد تھی رسن

رشتۂ الفت میں جتنی سختیاں ہیں سہل ہیں
کتنے آساں ہوگئے ہیں معنی دار و رسن

بس اسی صورت میں ممکن ہے مرا بخت سیاہ
تیرگی میں کھینچ لائے مہر تاباں کی کرن

آسرا پائے ہوئے ہے دل کسی کے نور کا
میں نہ بدلوں اپنی تاریکی سے شمع انجمن

مہر دہر افروز سے روشن نہ ہوگا یہ نصیب
ہاں مگر روشن کرے مہر ولائے پنجتنؑ

ہے ولادت کی خوشی میں ایک عالم خندہ زن
ہنس رہے ہیں آج میرے ساتھ جنت کے چمن

روشنئ مدح صدیقہؑ میں اتنا زور ہے
بجھ رہی ہے آج ہر محفل کی شمع انجمن

مدح فرزند رسول الثقلینؐ حضرت امام حسینؑ

حیات مختصر میں یہ گناہوں کی فراوانی
صباح حشر چھوٹی پڑ گئی اے عفو رحمانی

ہجوم نامرادی اب نہ آگے بڑھ کہ ڈرتا ہوں
کہیں آبادئ جنت پہ ہنس دے میری ویرانی

یہ دنیا وہ فریب رنگ و بو ہے جس میں جکڑی ہے
نشاط دہر کی زنجیر میں عقل ہیولانی

ہر اک جانب جہاں میں نامرادی کے سوا کیا ہے
مسرت بال عنقا بن کے کرتی ہے مگس رانی

یہاں بلبل کی قسمت میں معین نالہ فرمائی
یہاں گل کے مقدر میں ہے شغل چاک دامانی

یہاں حسرت پئے حسرت براری بھی تو مشکل ہے
صفا کے آئینے کو یاں ملا ہے اجر حیرانی

یہاں آنسو تو ہیں لیکن نہیں ہیں پوچھنے والے
یہاں ہیں چاک دامن اور نہیں ہے بخیہ سامانی

اشارے موج ابرو میں ہیں تیغ تیز سے بڑھ کر
تبسم ہے لب لعلیں کا محو برق پاشانی

بہ جرم بے گناہی بھی یہاں الزام ملتے ہیں
یہاں عصمت کا دھبہ بن گئی ہے چاک دامانی

یہاں پر کارفرمائے قضا کا حکم ناطق ہے
کہ سیدھی سانس بھی لینے نہ پائے یاں کا زندانی
ملا دیں خاک میں پائیں اگر موتی تواضع کے
یہاں لعل بد اختر ہیں بہائے تاج سلطانی
دُر والماس کیا ہیں بھیک ہیں اک دست منعم کی
تو کشکول گدائی رہ گیا ہے تاج خاقانی
کچھ ایسے سر ہیں زینت بن گئے جو تاج شاہی کی
کچھ ایسے در ہیں کرتے ہیں ملائک جن کی دربانی
مدینہ آسماں ہے آسماں والے سب آئے ہیں
ہوائے عرش دیتی ہے ملک کو بال جنبانی
یہ وہ دن ہے ملک اپنے سبق کو بھول بیٹھے ہیں
بجائے کلمۂ تقدیس ہے اب تہنیت خوانی
وہ ڈیوڑھی دیکھنا ہو گر تو میرے ساتھ آجاؤ
وہ دیکھو قدسیوں نے در پہ رکھ دی اپنی پیشانی
کسی فیض قدم کے یہ کرم کی ہے فراوانی
چھڑائے جا رہے ہیں عالم بالا کے زندانی
وسیلے سے ترے فطرس نے پائی بال جنبانی
بدل جاتے ہوئے دیکھے ہیں یوں بھی خط پیشانی
فضائل جو چھپائیں وہ سیہ بختان قسمت ہیں
ترے انوار سے ہے لو لگائے شمع ایمانی
ملک کے پر کے بستر اور کبھی جبریل کی لوری
فلک وش بن گئی تھی تیرے خاطر بزم امکانی
وہ تیرے صبر واستقلال کا ٹھہرا ہوا پانی!
رکی تھی پیاس کے دھارے پہ بھی کشتیٔ طوفانی
جہاں ٹھٹکی کھڑی تھی ہمت عزم خلیلی تک
وہاں رکھ دی مصائب نے قدم پر تیرے پیشانی
خدا کے حکم سے آتش کا گل کرنا تو آساں ہے
بہت مشکل ہے اپنے ہاتھ سے کرنا لہو پانی
عروج دوش مرسل کے برابر نوک نیزہ ہے
کہ قدرت چومتی ہے ہر قدم پر تیری پیشانی
یہ آنسو جن کی قیمت کچھ نہ تھی بازار عالم میں
توجہ سے تری جنت کے مولوں بک گیا پانی

مدح امام چہارم حضرت علی زین العابدینؑ

نہ رہا کچھ بھی مری خاک میں الفت کے سوا
خیر کچھ بچ تو گیا خارج قسمت کے سوا
کبھی دو دل نہ ملے گرمیٔ الفت کے سوا
دل میں ٹانکا نہ لگا سوز محبت کے سوا
دل میں کچھ بھی نہ سمایا تری وحدت کے سوا
آئینہ تنگ نظر ہے تری صورت کے سوا

خوب معلوم ہے پُرکاریٔ اربابِ جمال
فائدہ عرض تمنا سے خجالت کے سوا

یہ دم نزع تو ہی ہے کہ مجھے دھوکا ہے
سب کو پہچان رہا ہوں تری صورت کے سوا

میری تصویر میں اب سرخیٔ امید بھی بھر
رنگ کچھ اور چڑھا زردئی حسرت کے سوا

شوق تھا آپ کو باتوں کا مگر وقت جواب
اے کلیم اور بھی حاصل ہوا لکنت کے سوا

یہ شرف ذکر جنوں کو کبھی دے دیتا ہوں
چھیڑ دیتا ہوں ملال شب فرقت کے سوا

ہم بھی خیرات گہہ روز ازل سے گذرے
ہم کو بخشا نہ گیا حسن طبیعت کے سوا

کس قدر عالم تکوین میں رنگینی ہے
اور مقصود نہیں کچھ میری حیرت کے سوا

کچھ مرے پاس نہیں اشک ندامت کے سوا
پھر بھی کہتا ہوں نہ لوں گا تری جنت کے سوا

ذرۂ فاضل طینت ہوں کہاں جاؤں گا
چین پائے گی نہ جنت میری طینت کے سوا

واہ اے سید سجادؑ کے دامان کرم!
آسماں تنگ نہ ہوتا تری وسعت کے سوا

ان سے باتیں تو بہت کیں ہیں مگر وقت جواب
اے کلیم اور بھی حاصل ہوا لکنت کے سوا

سنگ اسود کو گواہی پہ زباں ملتی ہے
وہ بھی ہوتا ہے جو کہلاتا ہے قسمت کے سوا

لوگ ہر جنس گراں مایہ سرِ محشر لائے
کچھ بھی پوچھا نہ گیا آپ کی الفت کے سوا

اول و اوسط و آخر ہے محمد تم میں
اللہ اللہ یہ کثرت بھی ہے وحدت کے سوا

جدّ امجد کے لئے کوئی شرف چھٹنا تھا
لے لئے سارے شرف ختمِ نبوت کے سوا

کنزِ مخفیٔ الٰہی کو تو ہی نے جانا
تھا غنی ربِّ غنی تیری ضرورت کے سوا

بھر دیا دامن سائل کو سوا دامن سے
اور ظاہر نہ کیا اپنی ندامت کے سوا

علم آدمؑ ہو کہ ادریسؑ معلم ہیں حضور
درس گاہ ملکی ہے، در دولت کے سوا

بات انصاف کی یہ ہے کہ پسِ قتلِ حسینؑ
کون یوں سامنے آتا تری ہمت کے سوا

مومنہ کے تن بے جان میں جان آتی ہے
بات وہ ہے جسے کیا کہئے قیامت کے سوا

الفت آلِ محمدؐ ہے کلیدِ درِ خلد
کنجیاں اور بھی ہیں خازنِ جنت کے سوا

جز غم آل نبیؐ کچھ ہمیں درکار نہیں
کوئی کیا لے کے کرے اپنی ضرورت کے سوا

دست نقاش ازل کھینچ کے تیری تصویر
جیسے سب بھول گیا ہو تری صورت کے سوا

یہ حقیقت نہیں انداز طلب ہے مولاؑ
علم ہر شے کا تمہیں ہے مری حالت کے سوا

تیرے شیعوں کیلئے یہ تو ہے منہ مانگی مراد
اے رسولؐ اور بھی کچھ اجر رسالت کے سوا

ایک آنسو میں تو جنت تجھے دینا ہوگی
اے خدا اور بھی کچھ دے مجھے جنت کے سوا

مدح حضرت ابو طالبؑ

ہے تربیتِ مرسلؐ امکان ابو طالبؑ
اللہ یہ ہے فیض دامان ابو طالبؑ

جس گود میں بچہ ہو آتا ہے اثر اس کا
بیٹے سے کہوں پہلے ایمان ابو طالبؑ

اسلام تو کیا شے ہے ایماں میں جو شک ہوتا
قدرت نہ کبھی لیتی احسان ابو طالبؑ

دو عصمتیں بستی ہیں اک پھول سے دامن میں
اللہ رے خوشبوئے دامان ابو طالبؑ

وہ مہر رسالت ہو یا ماہِ امامت ہو
اک روح ابو طالبؑ اک جان ابو طالبؑ

کیا طاہر واطہر تھے پالا جو رسالت کو
تھے بالِ ملک گویا دامان ابو طالبؑ

احمدؐ کے بچانے کو حیدرؑ کو سلاتے تھے
بر خوابگہِ مرسلؐ ارمان ابو طالبؑ

وہ جان سے پیارا تھا جو عرش کا تارا تھا
قربانِ محمدؐ تھے قربان ابو طالبؑ

جو حس میں نہ آتا تھا وہ فرق سمجھتا تھا
ان دونوں کے رتبوں میں عرفان ابو طالبؑ

چالیس برس دل میں جو گھٹ کے رہے آخر
نکلے دم بعثت وہ ارمان ابو طالبؑ

کچھ قوم عرب ہی کا اعزاز نہ یہ گھر تھا
سردار جناں ٹھہرے شبان ابو طالبؑ

بیٹے کی جو سرداری عالم پہ مسلم ہے
فرمان رسالت ہے فرمان ابو طالبؑ

قطعۂ تاریخ طباعت ''گلکدۂ مناقب''

تنویرؔ مہدی نقوی تنویرؔ نگروری صاحب

سرمایۂ ادب ہے مناقب کا گلکدہ — شہکار اس سبب ہے مناقب کا گلکدہ

اہل ولا و اہل ہنر کی نگاہ میں — بس مرکز طرب ہے مناقب کا گلکدہ

منڈلا رہے ہیں چار طرف فکر کے پرند — قاری کے زیر لب ہے مناقب کا گلکدہ

اک ایک حرف میں ہے بسی بوئے منقبت — فنکاری صرف کب ہے مناقب کا گلکدہ

خوں بن کے حبِّ آلؑ رگوں میں رواں ہوئی — جب بھی پڑھا، عجب ہے مناقب کا گلکدہ

تنویرؔ میں ہی کیا سنِ ہجری نے خود کہا
زیبا و منتخب ہے مناقب کا گلکدہ

۶ ۲ ۴ ۱ ھ

قطعۂ تاریخ طبع مجموعۂ قصائد الموسوم بہ ''گلکدۂ مناقب''

مولوی قائم مہدی نقوی تذہیبؔ نگروری صاحب

کیا طرز اور فنِّ سخن گلکدہ میں ہے — فکروں کا اک عجیب چمن گلکدہ میں ہے

بیحد ہیں بیش قیمتی اس کے گہر تمام — ہر لفظ ایک دُرِّ عدن گلکدہ میں ہے

فاطر کے نام پاک سے ہے اس کی ابتدا — کہیئے کہ عظمتوں کا گگن گلکدہ میں ہے

کامل کا ہے کلام تو پھر نقص کون سا　　دیکھو تو فکر وفن کا وطن گلکدہ میں ہے

ذاخر بنا ہے آج مضامینِ نو کا کون　　کن مالیوں کے ذہن کا فن گلکدہ میں ہے

تاریخ طبع سنہِ مسیحی میں دیکھئے

کیا خوب انتخابِ حسن گلکدہ میں ہے

۲۰۰۵ء

قطعۂ تاریخ اشاعت

ندیٰ الھندی صاحبہ

گلکدہ ہے یہ مناقب کا ندیؔ الھندی کہ بس　　دیکھئے عرفان کامل اور وقار معرفت

عیسوی میں مصرعِ تاریخ پڑھیئے صاف صاف　　گلشنِ اشعار زیبا ہے بہار معرفت

۲۰۰۵ء

تاریخ طبع مجموعۂ قصائد

مہندس شبیب اکبر نقوی اثیرؔ جائسی صاحب حیدر آباد

مجموعے میں کیا خوب قصائد ہوئے شائع　　ہر ایک کو ہے عظمت اشعار کا اقرار

لکھی ہے اثیرؔ عیسوی تاریخ اشاعت　　گلدستۂ مضمون ہے یہ مصحف افکار

۲۰۰۵ء

زندگی مرسلؐ کی تھی اک صبح امن
چوریاں ہونے لگیں جب شب ہوئی

علامہ گھرؔ طاب ثراہ

بڑے مضبوط ہاتھوں سے ترے دامن کو پکڑا ہے
جہنم نے بہت کھینچا تو کھینچے گا فقط در تک

جز غم آل نبیؐ کچھ ہمیں درکار نہیں
کوئی کیا لے کے کرے اپنی ضرورت کے سوا

یہ حقیقت نہیں انداز طلب ہے مولا
علم ہر شئے کا تمہیں ہے مری حالت کے سوا

کاملؔ طاب ثراہ